بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیاست شرعیہ

ابوالعباس احمد ابن علامہ شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہؒ

مقدمہ از مصنف

ہمارے شیخ ہمارے قائدوراہنما، ہمارے امام، عالم وعامل، صدر کامل، بیشمار فضائل کے حامل، کہ جن کے حصرواحصاء اور شمار کرنے سے بڑے بڑے علماء، فضلاء قاصر ہیں اور دشمن بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اور وہ ابوالعباس احمد ابن علامہ شہاب الدین عبدالحلیم ابن علامہ امام ابوالبرکات عبدالسلام بن عبداللہ بن ابوالقاسم ابن تیمیہ ہیں۔ اللہ قدوس ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کے فیوض سے مستفیض فرمائے، فرماتے ہیں:

الحمدللہ! کہ جس نے اپنے رسولوں، پیغمبروں کو واضح بینات دے کر بھیجا، اور ان رسولوں، پیغمبروں کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ سیدھی، مستقیم اور عدل وانصاف کی راہ پر لگ جائیں، اور لوہا اتارا جس میں باس شدید، سخت ترین خوف، اور لوگوں کے لئے بے شمار منافع موجود ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کی نصرت وامداد کرنی چاہیئے، اور کس کو رسالت وپیغمبری دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہی قوی، عزیز اور غالب ہے اور اسی نے نبی کریم محمد ﷺ پر رسالت ونبوت ختم کردی۔ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو ہدایت ورشد اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ تمام ادیان ومذاہب پر اس دین کو غالب کر کے چھوڑیں۔ اور اس کی تائید ونصرت کے لئے ایک ایسا سلطان نصیر، علم وقلم، رشد وہدایت، حجت ودلیل، قدرت وقوت اور اقتدار وسطوت اور شمشیر و تلوار دی جو عزت وغلبہ کی کفیل ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو وحدہ لاشریک ہے، اس کا کوئی شریک وساجھی دار نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رحمت اتارے اللہ تعالیٰ ان پر، ان کے صحابہ پر، اور سلامتی ان پر بے حد و بے شمار، یہ ایسی شہادت ہے کہ شہادت دینے والا ہمیشہ ہمیش کے لئے اللہ کی حرز و حفاظت میں ہو جاتا ہے۔

وجہ تصنیف

امـا بعد! یہ مختصر سا رسالہ ہے جو سیاست الٰہیہ، نیابت نبوت کا جامع ہے، جس سے راعی رعیت، حاکم ومحکوم کسی حال میں مستغنی اور بے پرواہ نہیں ہوسکتا۔ اقتضاء یہ ہے کہ ولاۃ امور﴿ حکام ﴾ والیانِ ملک کو جو نصیحت اللہ تعالیٰ نے واجب لازم اور ضروری قرار دی ہے وہ کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو بیشمار طریقوں سے مروی اور ثابت ہے اور وہ یہ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَرۡضٰی لَکُمۡ ثَلَاثَۃً اَنۡ تَعۡبُدُوۡہُ وَلَا یُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَاَنۡ تَعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَاتَفَرَّقُوۡا۔ وَاَنۡ تَنَا صَحُوۡا مَنۡ وَّلَاہُ اللّٰہُ اَمۡرَکُمۡ.

اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے تم سے راضی ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور سب مل کر حبل للہ کو مضبوط تھامے رہو اور گروہ گروہ نہ بن جاؤ، اور ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے امور کا والی اور حاکم بنایا ہے.

اس رسالہ (یعنی کتاب) کی بنیاد کتاب اللہ کی اس آیت پر ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَأۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھۡلِھَا ط وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًا بَصِیۡرًا ۝ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ

شَیءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَا لرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذَالِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاوِیْلاً o (النساء: 58-58).

مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو، اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ جو تم کو نصیحت کرتا ہے تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے، مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور رسول کا حکم مانو، اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں انکا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

علماء شریعت کا قول ہے کہ پہلی آیت یعنی اِنَّ اللّٰہَ یَـاْمُرُکُـمْ ......الخ ولاۃ امور، والیانِ ملک امراء وحکام کے متعلق نازل ہوئی ہے، کہ یہ لوگ امانتیں ان کے اہل اور حقداروں تک پہنچائیں جب کوئی حکم کریں اور فیصلہ دیں تو عدل وانصاف کریں۔ دوسری آیت یعنی:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّ سُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

رعیت، رعیت کے لشکروں وغیرہ کے متعلق ہے۔ کہ وہ اپنے اولی الامر کی اطاعت کریں جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اور تقسیم اور جنگ کے احکامات جاری کررہے ہیں۔ اور غزوات ﴿جہاد وقتال﴾ وغیرہ میں کام کررہے ہیں۔ ہاں اس حکم کی پیروی نہ کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جب کبھی معصیت الٰہی اور اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو قطعاً اطاعت وپیروی نہ کریں۔ اور اس بارے میں حدیث نبوی وارد ہے:

لاَ طَا عَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ.

جس میں خالق کی معصیت ونافرنانی ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

پس جب کسی معاملہ میں آپس میں تنازع ہو جائے، تو کتاب وسنت کی طرف لوٹا دیں، اگر یہ لوگ ایسانہیں کرتے کہ باہمی تنازع کو کتاب وسنت کی طرف لوٹائیں تو والیانِ ملک ﴿حاکم وقت﴾ کا فرض ہے کہ وہ اس آیت کے مطابق عمل کریں، اور حکم الٰہی کی تعمیل کریں۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ

اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔

اس آیت پر عمل کرنے سے اطاعت الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ ہوگی۔ اور ان کے حقوق بھی پوری طرح ادا ہو جائیں گے۔

آیت بالا کے اندر امانت کی ادائیگی اور حق داروں کے حقوق ان تک پہنچانے کا حکم کیا گیا ہے، تو اداءِ امانت اور اداءِ امانت میں عدل وانصاف یہی دو چیزیں، سیاست عادلہ (اصولوں پر مبنی سیاست) اور ولایت صالحہ (نیک حکمران) اور (اللہ کے ہاں قابل قبول) حکومت کا اصل مقصد ہے۔

نوٹ: امانت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو لوگوں پر (سول، پولیس، اور فوجی) حکام مقرر کرتے وقت بہترین صلاحیتوں (مثلاً: اللہ سے ڈرنے والے اور انتظامی اُمور کو سمجھنے اور بہترین طریقے سے انہیں ادا کرنے) کے حامل افراد کو (اقرباء پروری سے بچتے ہوئے) عدل وانصاف کے ساتھ مقرر کرنا اور دوسرا لوگوں تک ان کی معیشت یعنی مال و دولت کی منصفانہ تقسیم کرنا۔ چنانچہ کتاب کے پہلے چار ابواب (Chapters) میں لوگوں پر حکام وعُمال (مثلاً: پولیس افسران، فوجی افسران، بینک افسران، ریلوے افسران، ہوائی جہازوں کے افسران، جج یعنی قاضی، اور ان کے ماتحت عملہ، اسی طرح اسکول ٹیچر، لیکچرار، پروفیسرز، اور ان کا ماتحت عملہ، مؤذن، امام، خطیب اور خادمِ مسجد وغیرہ) مقرر کرنے کے سلسلے میں رقم کئے گئے ہیں۔ جبکہ بعد میں مال ودولت کی تقسیم والی امانت کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

باب 1 (Chapter) کے مضامین

حاکم (مثلاً صدر، وزیر اعظم، وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، چیف جسٹس، آئی جی پولیس، چیف آف آرمی، نیوی اور ائیر اسٹاف) بننے کا مستحق کون ہے؟ نائبین (مثلاً نائب صدر، نائب وزیر اعظم، ڈی آئی جی پولیس، اور سیکرٹری (خارجہ و داخلہ، مالیات، ہوم سیکرٹری)، نائبین سلطان (صوبائی گورنرز، گورنر بینک دولت، وزراء اعلیٰ اور محکمہ جاتی وزراء) عدلیہ اور جج (ہائی کورٹس کے چیف جسٹس، ماتحت عدالتوں کے جج اور جج ریڈرز) سپہ سالار فوج (وائس چیف آف آرمی، نیوی اور ائیر اسٹاف) چھوٹے بڑے حکام (مثلاً ڈی سی۔ اے سی، مجسٹریٹ، کمشنر، کسٹم حکام اور ٹیکس افسران)۔ والیان اموال (صنعت و تجارت کے وزراء، بینک افسران) منشیان (گریڈ ایک سے سولہ تک کے ملازمین) وزارتِ خراج (جو پاکستان میں نہیں) صدقات و زکاۃ وصول کرنے والے (جو پاکستان میں نا قابل عمل ہے) نقیب (ناظمین اور ناظمین اعلیٰ) اور دیگر منتخب نمائندے وغیرہ بنائے جانے کے مستحق کون ہیں۔

امانتیں ادا کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ''حکومت'' اور ''حاکم وقت'' ہے، آیت مذکورہ کے نزول کا یہی سبب ہے، رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو کعبۃ اللہ کی چابیاں آپ نے بنی شیبہ سے لے لیں۔ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے طلب کیں کہ یہ چابیاں مجھے دے دی جائیں تاکہ حاجیوں کو پانی پلوانے کیساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی خدمت بھی اپنے لئے مخصوص کرلیں، اللہ تعالیٰ کو یہ ناگوار ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی اور کعبۃ اللہ کی چابیاں شیبہ کو دینے کا حکم ہوا۔ پس حاکم وقت کا یہ فرض ہے کہ مسلمانوں کا ہر کام اُنہی کو سپرد کریں جو اُس کام کے لئے اصلح یعنی ﴿اللہ سے ڈرنے والے اور انتظامی اُمور کو سمجھنے اور بہترین طریقے سے اُنہیں ادا کرنے والے﴾ ہوں۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ صلاحیت

رکھتے ہوں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ وُلِیَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ شَیْئًا فَوَلّٰی رَجُلًا. وَ هُوَ یَجِدُ مَنْ هُوَ اَصْلَحُ لِلْمُسْلِمِیْنَ فَقَدْ خَانَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ.

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر بھی کسی ایسے شخص کو والی، حاکم یا افسر بنا دیا کہ اس سے بہتر اور اصلح للمسلمین موجود ہے تو اس نے اللہ اور اللہ کے رسول سے خیانت کی۔

ایک دوسری روایت ہے:

مَنْ قَلَّدَ رَجُلًا عَمَلًا عَلٰی عَصَا بَةٍ وَ هُوَ یَجِدُ فِیْ تِلْکَ ا لْعَصَابَةِ اَرْضٰی مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللهَ وَ خَانَ رَسُوْلَهٗ وَخَانَ الْمُؤْمِنِیْنَ. (رواه الحاکم فی صحیحه)

جس نے ''عصابہ'' ﴿یعنی﴾ فوج کے دستہ پر کسی ایسے آدمی کو فوج میں افسر مقرر ﴿Select﴾ کیا کہ اس سے بہتر آدمی اس ''قومی عصابہ'' ﴿یعنی﴾ قومی فوجی دستے میں کام کرنے کیلئے موجود ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے خیانت کرتا ہے، اسکے رسول سے خیانت کرتا ہے اور اہلِ ایمان سے خیانت کرتا ہے۔

بعض علماء اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اپنے بیٹے کو کہا تھا۔ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی اس کے راوی ہیں اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ وُلِیَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِبِیْنَ شَیْئًا فَوَلّٰی رَجُلًا لِمَوَدَّةٍ. اَوْ قَرَابَةٍ بَیْنَهَا فَقَدْ خَانَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالْمُسْلِمِیْنَ

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر کسی ایسے آدمی کو والی، حاکم یا افسر بنایا جو اس سے محبت اور دوستی رکھتا ہے، یا قربت دار اور رشتہ دار کو والی، حاکم یا افسر بنایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول اور عام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔

اس مسئلہ پر غور وفکر کرنا حاکم وقت، شعبہ جاتی وزیر، مشیر اور مجاز افسران کا اولین فرض ہے۔ اور

اس لئے فرض ہے کہ سیادت، ولایت اور حکومت کے اصل مستحق اور حقدار لوگوں سے بحث کی جائے کہ شہروں پر کیسے کمشنر، ڈپٹی کمشنر، تحصیلدار، آئی۔جی، ڈی۔آئی۔جی اور ان کے نائب ایس۔پی۔ ڈی۔ایس۔پی، فوڈ اور کسٹم انسپکٹرز وغیرہ، ایس۔ایچ۔او۔ پولیس کے چھوٹے بڑے عہدے دار اور حاکم ﴿یعنی﴾ گورنر، وزیر، مشیر، ناظم الاموراوران کے نائب مقرر کیئے جائیں۔اور یہ لوگ فوج کے اعلیٰ وادنیٰ افسران، لشکر اسلام کے سردار چھوٹے بڑے، مسلمانوں کا مال وصول کرنے والے وزراء، منشی، کاتب، خراج وصدقات، زمین کا محصول اور زکاۃ وصول کرنے والے اور اس میں کوشش کرنے والے وغیرہ جو مسلمانوں سے مال اور پیسہ وصول کرتے ہیں، سب شامل ہیں۔ان میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے نائب اور ماتحت ایسے افسران مقرر کریں جو مسلمانوں کے لئے بہتر اور اصلاح کرنے والے ہوں۔اور کوشش کریں کہ اصلح ﴿زیادہ صلاحیتوں کے حامل﴾ کے ہوتے ہوئے غیر اصلح ﴿یعنی کم صلاحیتوں کے حامل﴾ کو مقرر نہ کریں۔اور یہ سلسلہ نماز کے اماموں مؤذنوں، مقریوں، معلموں اور امیر الحاج، کنوؤں چشموں کی دیکھ بھال کرنے والوں، مال کے محافظوں ﴿پہریداروں﴾، قلعوں کی حراست ﴿یعنی استقبالیہ کلرک (Receptionest) ٹیلی فون آپریٹرز اور چوکیداری (Gate Keeping etc.)﴾ کرنے والوں اور لوہار ﴿یعنی اسلحہ، گولہ و بارود بنانے والے﴾ جو قلعوں ﴿یعنی فیکٹریوں﴾ پر مامور ہوتے ہیں، قلعوں کے دربانوں، فوج ولشکر کے افسروں، قبائل کے شرفاء ﴿یعنی سردار﴾ اور ٹریڈ یونین کے عہدیداروں، دیہات اور قریوں کے دیہاتی روساء ﴿یعنی چوہدریوں، وڈیروں، جاگیرداروں اور خان زادوں﴾ وغیرہ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

ان لوگوں کا اولین فرض ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے کسی کام میں والی، حاکم یا افسر مقرر کریں، اپنے ماتحت ایسے لوگوں کو کام سپرد کریں جو اصلح ﴿زیادہ لائق اور بہتر منتظم﴾ ہوں، اور کام پر کافی قدرت و دسترس رکھتے ہوں۔اور ان آدمیوں کو مقدم نہ رکھیں جو خود حاکم بننے اور حکومت لینے اور افسر بننا چاہتے ہوں یا اس کی طلب میں درخواست دی ہو بلکہ طلب کرنا اور درخواست دینا تو اُسے جگہ نہ

دینے کا ایک بہت بڑا سبب ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

عَنِ ا لنَّبِیِّ ﷺ اِنَّ قَوۡمًا دَخلُوۡا عَلَیۡہِ سَئلُوۡہُ وَلَایَۃً فَقَالَ اِنَّا لَا نُوَلِّیۡ اَمۡرَنَا ھٰذَا مَنۡ طَلَبَہٗ. (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ولایت ﴿یعنی کسی شعبہ میں افسر بننے﴾ اور حکومت ﴿یعنی گورنری﴾ طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم ایسے لوگوں کو گورنری یا افسری نہیں دیں گے جو خود ﴿یہ چیزیں﴾ مانگتے ہیں۔

اورعبدالرحمٰن بن سمرۃ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یَا عَبۡدَالرَّحۡمٰنِ لَا تَسۡئَلِ الۡاَمَارَۃَ فَاِنَّکَ اِن اُعۡطِیۡتَھَا مِنۡ غَیۡرِ مَسۡئَلَۃٍ اعنت علیھا وَاِنۡ اُعۡطِیۡتَھَا عَنۡ مَسۡئَلَۃٍ و کلت اِلَیۡھَا. (بخاری و مسلم)

اے عبدالرحمٰن! تم امارت ﴿یعنی گورنری اور افسری﴾ نہ مانگو۔ اگر بغیر مانگے تم کو امارت ﴿وحکومت﴾ مل جائے تو تم کو اللہ کی جانب سے مدد ملے گی۔ اگر مانگنے سے ملی تو تمہیں خود اس کا وکیل ﴿یعنی ذمہ دار﴾ بننا پڑے گا۔ ﴿اللہ کی﴾ امداد نہیں ملے گی۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنۡ طَلَبَ ا لۡقَضَاءَ وَ اسۡتَعَانَ عَلَیۡہِ وُکِّلَ اِلَیۡہِ وَمَنۡ لَمۡ یَطۡلُبِ ا لۡقَضاءَ وَ لَمۡ یَسۡتَعِنۡ عَلَیۡہِ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡہِ مَلَکًا یُسَدِّدُہٗ. (رواہ اھل السنن)

جس نے قضاء طلب کی، (یعنی جسٹس یا قاضی وغیرہ بننے کیلئے درخواست دی) اور اس کے لئے کسی کی مدد چاہی تو یہ کام اسی کے سپرد ہوگا۔ اور جس نے قضا ﴿یعنی جسٹسی﴾ طلب نہیں کی اور اس کے لئے کسی کی مدد نہیں چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے فرشتہ بھیجے گا جو اس کو صحیح راستہ پر چلاتا رہے گا۔

پس اگر والی ﴿حاکمِ وقت، گورنر، یا کوئی بھی مجاز افسر﴾ جادۂ استقامت سے ہٹ گیا یا زیادہ حقدار اور اصلح کو چھوڑ کر کسی قرابت یا ولاء عتاقتہ ﴿یعنی کسی شخص کیساتھ ناراضگی ودشمنی کی وجہ سے اُسے محروم رکھنے﴾ یا ولاء صداقتہ ﴿یعنی کسی شخص کیساتھ دوستی کی وجہ سے نوازنے﴾ کی وجہ سے یا کسی آبادی میں موافقت اور دوستی ہوگئی ہے اس لئے، یا مذہبی موافقت ﴿یعنی ہم مسلک ہونے﴾ کی وجہ سے، یا کسی اور طریقے سے، یا باہم ایک قومیت ہونے کی وجہ سے، مثلاً ایرانی، ترکی، رومی ہونے کی وجہ سے، یا رشوت کی وجہ سے، یا کسی دوسری سیاسی وسماجی اور معاشرتی منفعت کی وجہ سے، یا اس قسم کے دوسرے اسباب کی وجہ سے، یا ﴿زیادہ﴾ حقدار اور اصلح ﴿یعنی بہتر منتظم﴾ سے کینہ وعداوت رکھتا ہے، اس لئے مستحق، حقدار اور زیادہ اصلاح کرنے والے کو چھوڑ کر غیر حقدار، غیر مستحق اور غیر اصلح کو مقرر کیا تو یقیناً وہ اللہ اور اللہ کے رسول اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کر رہا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انفال ع ۳)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو، اور تم تو خیانت کے وبال سے واقف ہو۔

اس کے بعد ہی فرمایا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (انفال)

اور جانتے رہو کہ تمہارے مال، اور تمہاری اولاد ایک فتنہ ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے ہاں بڑا اجر موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی اپنے بچے اور غلام سے محبت کی وجہ سے ملک کے کسی حصہ کی ولایت ﴿یعنی گورنری اسے﴾ دے دیتا ہے، اور غیر مستحق کو حکومت دے دیتا ہے تو یقیناً وہ

امانتِ الٰہی میں خیانت کرتا ہے۔اسی طرح وہ مال کی کثرت وفراوانی کو پسند کرتا ہے،اس کومحفوظ کرنے کے لئے غیر مستحق لوگوں کوترجیح دیتا ہےاور وہ خواہ مخواہ ﴿لوگوں سے بھتہ وغیرہ کی شکل میں﴾ مال وصول کرتے ہیں۔یا بعض اقلیموں ﴿صوبوں، ریاستوں اور جاگیروں﴾ کے والیوں ﴿وزیروں﴾ اورحاکموں کو وہ ایسا پاتا ہے کہ وہ مداہنت ﴿خوشامدی﴾ اور چاپلوسی کرتے ہیں مگر یہ ان سے ڈرتا ہے اوران کواپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے،اس لئے ﴿ایسے﴾ غیر مستحق کوحقدار ﴿یعنی حاکم وافسر وغیرہ﴾ بنا کربھیج دیتا ہے،تو یہ آدمی یقیناً اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے خیانت کرتا ہے،اوراس امانت میں خیانت کرتا ہے جواس کے سپرد کی گئی ہے۔

اور پھر یہ کہ امانتدار (یعنی بااختیار افسر یا حاکم) اگر اپنی خواہش اورھواء ﴿یعنی چاہت﴾ کی مخالفت کرے اور اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ثابت قدم رکھتا ہے،اس کی حفاظت کرتا ہے،اس کے اہل وعیال اور مال کی اس کے بعد بھی حفاظت کرتا ہے،اور جوآدمی اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہےتو اللہ تعالیٰ اُسے عذاب میں مبتلا کردیتا ہے،اوراس کے مقصداوراراردوں کوتوڑ دیتا ہے،اسکی اولادوعیال کوذلیل وخوار کرکے رکھ دیتا ہے،اوراس کا وہ سارا مال ﴿ضائع﴾ چلا جاتا ہے۔

اس بارے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے وہ یہ کہ خلفاء بنوعباس میں سے کسی نے بعض علماء کوکہا کہ کچھ حالات جوتمہارے دیکھے ہوئے یاسُنے ہوئے ہوں لکھ دیں۔اس نے کہا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا ہے کسی نے ان سے کہا: امیر المومنین! اس مال کوآپ نے اپنے بیٹوں سے دور رکھا ہے اور اُنہیں فقیر و بےنوا چھوڑ دیا ہے،کوئی چیز آپ نے ان کیلئے نہیں چھوڑی۔امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھے،انہوں نے کہا اچھا میرے لڑکوں کو میرے سامنے لاؤ۔لڑکے لائے گئے جودس سے زیادہ تھے،اور سب کے سب نابالغ تھے۔لڑکوں کو دیکھ کر رونے لگےاور کہنے لگے،میرے بیٹو! جوتمہارا حق تھا وہ میں نے تم کو پورا پورا دے دیا ہے،کسی کومحروم نہیں رکھااور میں لوگوں کا مال تم کو دے نہیں سکتا،تم میں سے ہرایک کا مال یہ ہے کہ یا تو وہ صالح نیک

بخت ہوگا تو اللہ تعالیٰ صالح اور نیک بندوں کا والی اور مددگار ہے۔ یا غیر صالح ہوگا اور غیر صالح کے لئے میں کچھ بھی چھوڑنا نہیں چاہتا کہ وہ اس مال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ﴿نافرمانی﴾ میں مبتلا ہوگا۔ قُومُوا عَنِّیْ! بس سب جاؤ میں اتنا ہی کہنا چاہتا تھا۔اس کے بعد وہ کہتا ہے اُنہی عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی اولاد میں سے بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ سو سو گھوڑے فی سبیل اللہ دیتے تھے کہ مجاہدین اسلام ان پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

اس کے بعد اس نے کہا، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفۃ المسلمین تھے، اقصاء مشرق بلادِ ترک وغیرہ پر، اقصاء مغرب بلادِ اندلس وغیرہ پر قابض تھے، جزائر قبرص اور حدود شام اور طرسوس وغیرہ کے قلعوں پر حکومت وفرمانروائی کرتے تھے، یمن کی انتہائی سرحدوں میں جن کی حکومت پھیلی ہوئی تھی، باوجود اس کے ان کی اولاد نے باپ کے ترکہ میں سے تھوڑی چیز پائی تھی اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ بیس بیس درہم سے بھی کم تھی۔

پھر اس عالم میں! میں نے بعض ایسے خلفاء بھی دیکھے ہیں جنہوں نے اپنا ترکہ اتنا چھوڑا کہ ان کے مرنے کے بعد جب لڑکوں نے باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں چھ چھ کروڑ اشرفیاں آئی تھیں، لیکن میں نے ان لڑکوں میں سے بعض کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ لوگوں کے سامنے بھیک مانگا کرتے تھے۔

اور بے شمار حکایتیں اور چشم دید واقعات اور اگلوں سے سنے ہوئے حالات اس بارے میں موجود ہیں جو عقلمندوں اور اربابِ بصیرت کی عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اور سنت نبوی ﷺ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت وامارت ﴿گورنری وافسری﴾ اور حکومت بھی ایک امانت ہے، جس کا ادا کرنا واجب ہے، اور مختلف مواقع پر حفظ ما تقدم کی طرح اس کا ذکر ہے مثلاً سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو امارت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّھَا اَمَانَةٌ وَاِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَھَا بِحَقِّھَا. وَاَدَّی الَّذِیْ

عَلَیۡہِ فِیۡھَا. (رواہ مسلم)

یہ حکومت و امارت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ امارت خواری اور ندامت کا موجب ہے مگر یہ کہ امارت کو حق کے ساتھ لیا۔ اوراس کے حقوق کواس میں پوری طرح ادا کیا۔

اورامام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری کے اندر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

اَنَّ النبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اَذَا ضِیۡعتِ الۡاَمَانَۃُ فاۡ نۡتظرِالسَّاعَۃَ. قِیۡلَ یَارَسُوۡلَ اللہِ وَمَا اضَاعَتُھا؟ قَالَ اِذَا وُسِدَالۡاَمۡرُ اِلٰی غَیۡرِ اَھۡلِہٖ فَانۡتَظِرِ السَّاعَۃَ (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امانت ضائع کی جانے لگےتو ساعت ﴿قیامت﴾ کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! امانت ضائع کرنا کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امورِحکومت اورسرداری وافسری نااہلوں کے سپرد کی جائے تو تم قیامت ﴿اوریعنی مسلمانوں کی بربادی﴾ کا انتظار کرو۔

اوراسی معنی کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کا اس پراجماع ہے کہ یتیم کا والی ووصی ﴿پرورش کرنے والا﴾ ناظر اوقاف ﴿دیکھ بھال کرنے والا﴾ اورکسی آدمی کا کوئی وکیل ہو، اوراسکے مال میں تصرف کرے تو الاصلح فالاصلح کے اصول کے تحت تصرف کرے جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقۡرِبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ (سورۃ الانعام)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگراس طریقہ سے جواحسن ہویعنی سب سے اچھا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ''بِـالَّتِیۡ ھِیَ حَسَنَۃٌ ''یعنی اس طریقے سے جواچھا ہو، اور یہ اس لئے کہ والی اور حاکم ایسا ہی لوگوں کا راعی ﴿یعنی ذمہ دار﴾ ہے جیسا کہ بکریوں کا راعی ﴿چرواہاذمہ دار﴾ ہوا کرتا ہےاورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کُـلُّکُمۡ رَاعٍ وَکُلُّکُمۡ مَسۡئُوۡلٌ عَنۡ رَعِیَّتِہٖ فَالۡاِمَامُ الَّذِیۡ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ

مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ. وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَاعِيَّتِهَا. وَالْوَلَدُ رَاعٍ فِيْ مَالِ اَبِيْهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عِنْ رَعِيَّتِهٖ. وَ الْعَبْدُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَ هُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ. اَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ. (بخاری و مسلم)

تم میں سے ہرایک راعی ﴿ذمہ دارحاکم﴾ ہےاور ہرایک سےاس کی رعیت کا سوال ہوگا، پس حاکم وقت لوگوں کا، راعی ﴿ذمہ دار﴾ ہےاوراس سے اپنی رعیت ﴿رعایا اورعوام الناس﴾ کا سوال ہوگا۔اورعورت اپنے شوہر کے گھر کی راعی ﴿ذمہ دار﴾ ہےاوراس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا، اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا راعی ہے، اوراس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔اورغلام اپنے سیّدوآقا اور مالک کے مال کا راعی ہےاوراس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔خبردار رہو کہ تم میں سے ہرایک راعی ﴿ذمہ دارحاکم﴾ ہےاور ہر ایک سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

مَا مِنْ رَاْعٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ هُوَ عَاشٍ لَهَا. اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (رواه مسلم)

کوئی راعی (ذمہ دارحاکم) نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے رعیت کا راعی بنایا جس دن مرے گا مرے گا۔اور وہ رعیت کے بارے میں غاشی ﴿غاصب اور دھوکہ باز﴾ ہےتو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی خوشبوبھی حرام کردے گا۔

ایک دن سیدنا ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَجِيْرُ لوگوں نے کہا اَيُّهَاالْاَمِيْرُ کہئےتوانہوں نے پھر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَجِيْرُ کہا۔لوگوں نے پھرکہا اَيُّهَا الْاَمِيْرُ کہئےتو پھرانہوں نے وہی جملہ دہرایا تین دفعہ اسی

جملہ کواُنہوں نے دہرایا اور لوگ اس پر اصرار کرتے رہے کہ آپ سے اَیُّھَا الْاَمِیْرُ کہلوائیں۔ آخر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو مسلم کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، وہ اپنی بات کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد سیدنا ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا اے معاویہ رضی اللہ عنہ تم اجیر ہو۔ ان بکریوں کے ریوڑ کے لئے تم کو ان بکریوں کے رب نے اُجرت پر رکھا ہے۔ اگر تم خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری کرو گے اور مریض بکریوں کی دوا کرو گے اور ان بکریوں کی اچھی طرح حفاظت کرو گے، تو بکریوں کا مالک تمہیں پوری اُجرت دے گا۔ اور اگر تم نے خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری نہ کی، مریض بکریوں کی دوا نہ کی، بکریوں کی اچھی طرح حفاظت نہ کی تو بکریوں کا مالک تم کو سزا دے گا۔

یہ واقعہ عبرت ونصیحت کے لئے کافی ہے کیونکہ ساری مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔ اور ملک کے حکمران اس کے بندوں پر اس کے نائب ہیں، اور بندوں کی جانوں کے وکیل وکفیل۔ اور ایسے وکیل و کفیل کہ دو شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل وکفیل ہوا کرتے ہیں۔ والیوں اور حاکموں میں ولایت ووکالت کے معنی موجود ہیں۔

جب ولی ﴿یعنی حاکم وقت﴾ اور وکیل ﴿جیسے گورنر، وزیر، مشیر اور بااختیار افسر وغیرہ﴾ اصلح للتجارۃ ﴿یعنی جو شخص صنعت وتجارت اور اُمورِ خزانہ کو بہتر سمجھتا ہو﴾ یا زمین کے بارے میں جو اصلح ﴿بہتر علم رکھتا اور منتظم﴾ ہو، اُسے چھوڑ کر ایسے شخص کو نائب مقرر کرے کہ وہ اصلح للتجارۃ نہیں ہے، اور زمین کے بارے میں بھی وہ غیر اصلح ﴿یعنی نااہل﴾ ہے تو یقیناً وہ ﴿حاکِم وقت یا گورنر وافسر﴾ خائن ﴿یعنی امانت میں خیانت کرنے والا﴾ ہے۔ کیونکہ جو اصلح للتجارۃ ﴿یعنی اہل﴾ نہیں ہے وہ سامان واسباب کو سستے داموں فروخت کردے گا حالانکہ اس خریدار سے اچھا اور بہتر دوسرا خریدار موجود ہے، دام زیادہ دینے کو تیار ہے، پھر بھی ﴿ایسے﴾ خریدار سے بوجہ خوف کے یا بوجہ دوستی اور مودت کے یا قرابت کی وجہ سے سستے داموں مال کو اُٹھا دیتا ہے ﴿یعنی بیچ دیتا ہے اسی طرح کسی چیز کا ٹھیکہ دیتا ہے﴾ تو یقیناً یہ ﴿حاکم ومجاز افسر﴾ خائن ہے۔ مال کا مالک یقیناً اس سے بغض رکھے گا۔ اور اس کی مذمت اور

برائی کرے گا۔ اوراس کو خائن قرار دے گا۔ یا قرابتداروں اور دوستوں کو نوازنے والا کہے گا۔ اوراس لئے والی ﴿حاکمِ وقت﴾ اور وکیل ﴿مجاز افسر﴾ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو نائب نہ بنائے۔ اور جو اصلح للتجارۃ ہو یا زمین وغیرہ کے بارے میں اچھی مہارت رکھتا ہو، اس کو نائب مقرر کرے۔

باب 2 (Chapter) کے مضامین

اصلح ﴿زیادہ اہل﴾ موجود ہے تو اسے ولایت ﴿امارت﴾ وحکومت دینی چاہیئے، اگر اصلح موجود نہیں ہے تو صالح ﴿نیکوکار﴾ کو ولایت ﴿امارت﴾ وحکومت دی جائے۔ ہر منصب کیلیئے الامثل فالامثل ﴿یعنی زیادہ بہتر شخص﴾ کو ولایت ﴿گورنری﴾ و نیابت ﴿افسری﴾ دی جائے۔ ولایت ﴿حاکم و ذمہ دار بننے﴾ کیلیئے قوت اور امانت ضروری ہے تا کہ نفاذِ احکام اور ادائیگی امانت میں سہولت پیدا ہو۔ قاضی ﴿جج﴾ تین قسم کے ہیں۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ولی الامر ﴿حاکمِ وقت﴾ کا فرض کیا ہے؟ ولی الامر ﴿حاکمِ وقت﴾ کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسے آدمی کو عامل ﴿ذمہ دار﴾ نائب اور والی وحاکم ﴿افسر و گورنر﴾ بنائے جو اصلح ﴿زیادہ اہل اور اچھا منتظم﴾ ہو۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کام کے لائق آدمی موجود نہیں ہوتا۔ اور ایسے شخص کا ملنا دشوار ہوتا ہے، جس میں کام کی صلاحیت موجود ہو۔ تو اس وقت ولی الامر ﴿حاکمِ وقت، گورنر وذمہ دار افسر﴾ کا فرض ہے کہ الامثل فالامثل ﴿زیادہ بہتر شخص﴾ کو مقرر کرے۔ ہر منصب اور ہر عہدے کے مناسب حال الامثل فالامثل کو قائم کرے اگر پورے اجتہاد، پوری کوشش اور جدوجہد کے بعد والی امر ﴿حاکمِ وقت یا ذمہ دار﴾ نے ایسا کر دیا، اور ولایت و نیابت کا

حق ادا کر دیا، تو اس نے اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام والی امر ﴿حاکمِ وقت اور ذمہ دار﴾ عادل ہے اور اللہ کے نزدیک وہ مقسطین ﴿انصاف کرنے والوں﴾ میں سے ہے اگر چہ بعض وجوہ اور بعض اسباب کی بنا پر بعض امور میں خلل واقع ہو جائے لیکن اس کے سوا دوسرا امکان اور چارۂ کار بھی نہیں ہے اور اللہ نے بھی اسی قسم کی کوشش کا حکم فرمایا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ (تغا بن ع ۲)

مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور فرماتا ہے:۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَاط (بقرہ ع ۴۰)

اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جس کی اس کو طاقت ہو۔

اور جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ط لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَکَ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (نساء ع11)

تو تم اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑو تم پر اپنی ذات کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں اور ہاں مسلمانوں کو بھی ابھارو۔

اور فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ لَا یَضُرُّکُمۡ مَنۡ ضَلَّ اِذَا اھۡتَدَیۡتُمۡ

(مائدہ ع 14)

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو جب تم راہِ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پس جس نے اپنی مقدور بھر امکانی کوشش کی اور اپنا فرض ادا کیا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے ہدایت کی راہ پالی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخرجاه فی الصحیحین)

جب میں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق کر گزرو۔

لیکن اگر وہ ﴿حاکم و ذمہ دار﴾ ایسا کرنے سے اس لئے قاصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز ﴿بزدل﴾ پاتا ہے یا کسی غیر شرعی ضرورت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے، تو وہ یقیناً خیانت کرتا ہے۔ اور اُسے خیانت کی سزا دی جائے گی۔ اور اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ اصلح ﴿اہل اور اچھے منتظم﴾ کو پہچانے اور ہر منصب اور ہر عہدہ کے لئے اصلح ﴿اہل اور اچھے منتظم﴾ تجویز کرے کیونکہ ولایت امر ﴿یعنی حاکمِ وقت سے بیوروکریسی اور چھوٹے نوکروں تک کی ذمہ داری﴾ کے دو رکن ہیں **"ایک قوت دوسری امانت"** جیسا کہ قرآن مجید کے اندر ہے:۔

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ (قصص ع ۳)

کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہئے۔

اور شاہ مصر نے یوسف علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان میں کہا ہے:

اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ (یوسف ع ۷)

تم ہماری سرکار میں آج سے بڑے باوقار اور صاحب اعتبار ہو۔

جبریل علیہ السلام کی شان اور صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ . ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ . مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ

(تکویر ع ۱)

قرآن بیشک معزز فرشتے کا پہنچایا ہوا پیام ہے اور وحی کے بارگراں اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور مالک عرش کی جناب میں اس کا بڑا درجہ ہے اور وہاں افسر اور امانت دار ہے۔

اور ہر ولایت، ہر حکومت کی قوت اور طاقت اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے۔ امارتِ حرب ولایت جنگ ﴿وزارتِ جنگ﴾ کی قوت یہ ہے کہ والی جنگ ﴿سپہ سالار﴾ شجاع، بہادر، دلیر اور

جنگ کے تمام تر اُمور سے واقف اور ماہر ہو اور مخادعت (دھوکہ دہی) اور چال بازیوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔ کیونکہ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ (جنگ فریب اور دھوکہ کا نام ہے) اور یہ کہ وہ قتال و جنگ کے طریقوں کو جانتا ہو اور ان طریقوں پر عمل کرنے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہو۔ تیراندازی ﴿نشانہ بازی﴾ سے اچھی طرح واقف ہو، حملہ اور وار اچھی طرح کر سکتا ہو، گھوڑے ﴿اور ٹینک، بکتر بند گاڑی، لڑاکا طیارے اور بحری جہازوں﴾ کی سواری خوب جانتا ہو۔ کروفر ﴿اسلحہ و بارود اور دیگر ساز و سامان﴾ وغیرہ پوری طرح رکھتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مَنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ. (انفال ع ۸)

اور مسلمانو! سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھنے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہوسکے کافروں کے مقابلہ کے لئے ساز وسامان مہیا کئے رہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِرْمُوْا وَارْكَبُوْا. وَاِنْ تَرْمُوْا اَحبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا وَمَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْیَ ثُمَّ نَسِيَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا.

تیر مارا کرو ﴿یعنی راکٹ اور میزائل چلایا کرو﴾ اور سواری کیا کرو اور تیر ﴿راکٹ و میزائل﴾ چلانا مجھے ﴿لڑاکا جیٹ جہازوں کی﴾ سواری سے زیادہ محبوب ہے اور جو تیر چلانا ﴿یعنی نشانہ بازی﴾ سیکھا پھر بھول گیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے:۔

فَهِيَ نِعْمَةٌ جَحَدَهَا (رواہ مسلم)

تیر ﴿و گولی﴾ چلانا ایک نعمت ہے بھولنے والے نے اس نعمت سے انکار کر دیا۔

اور ''قوت''، حکم کا مرجع، علم ﴿حاصل کرنے﴾ اور عدل ﴿وانصاف قائم کرنے کے لئے ضروری ہے﴾ اور قدرتِ تنفیذِ احکام ﴿یعنی ''قوت'' ہی سے اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی قدرت میسر آتی﴾

ہے جس پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہے۔

اور امانت کا مرجع خشیت الٰہی اور اللہ کا خوف ہے اور یہ کہ حقوقِ الٰہی کو دنیا کی متاعِ قلیل ﴿ ناجائز مال ودولت ﴾ کے عوض فروخت نہ کرے۔ اور لوگوں کا خوف قطعاً ترک کردے۔

یہ تین خصلتیں ﴿ قوت، امانت اور خشیت الٰہی ﴾ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر والی، ہر حاکم، ہر ولی الامر اور ہر حکم ﴿ یعنی قاضی اور جج ﴾ کے لئے فرض اور ضروری قرار دیا ہے اور قرآن حکیم اس پر ناطق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًاط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (مائدہ ع ۷)

اور تم لوگوں سے نہ ڈرو اور ہم سے ہی ڈرتے رہو اور ہماری آیتوں کے معاوضے میں ناچیز فائدے نہ لو۔ اور جو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم ﴿ یعنی فیصلہ ﴾ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

اور اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے قاضیوں ﴿ ججوں ﴾ کی تین قسمیں گردانی ہیں۔ جن میں سے دو قسم کے قاضیوں کے لئے جہنم بتلائی ہے اور ایک قسم کے قاضیوں کے لئے جنت۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :۔

اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ. قَاضِيَانِ فِی النَّارِ وَقَاضٍ فِی الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَلِمَ الْحَقَّ وَقَضٰى بِهٖ فَهُوَ فِی الْجَنَّةِ (رواہ اھل السنن)

قاضی ﴿ یعنی ﴾ تین قسم کے ہیں۔ دو قسم کے قاضی ﴿ جج ﴾ جہنم میں جائیں گے اور ایک قسم کے قاضی ﴿ جج ﴾ جنت میں۔ پس وہ آدمی جو حق کو پہچان کر حق فیصلہ کرے وہ جنت میں جائے گا۔

اور قاضی ﴿ جج ﴾ ہر اس آدمی کو کہتے ہیں جو دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ اور دونوں فریق

کو حکم دے۔اب وہ شخص خلیفہ ہو یا سلطان یا اس کا نائب ﴿یعنی گورنر﴾ ہو، یہاں تک کہ بچوں کی تحریر و خط کے جونگران ﴿اساتذہ﴾ ہیں ان کو بھی یہ حکم شامل ہے، ایسا ہی ذکر اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔اور وہ ایسا ہی کرتے تھے اور یہ ظاہر ہے۔

باب 3 (Chapter) کے مضامین

آج دنیا میں ایسے لوگ جن میں قوت اور امانت دونوں موجود و مجتمع ہوں کم ہیں۔ دو آدمی ایسے کہ ایک ان میں سے امین ہے، دوسرا طاقتور تو ایسے آدمی کو ولایت امر اور سرداری دینی چاہیئے جو قوم ورعایا کے لئے مفید و نافع ہے، قوم ورعایا کو نقصان نہ پہنچے۔امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا دو آدمی ہیں ایک جنگجو، شجاع اور دلیر ہے لیکن فاجر ہے۔ دوسرا صالح نیک مگر کمزور کم ہمت۔ کس کے ساتھ رہ کر جہاد کیا جائے؟ اُنہوں نے فرمایا: فاجر قوی کے ساتھ رہ کر، کیونکہ قوت مسلمانوں کے لئے ہے، اور اس کا فجور اس کی جان کے لئے، اور صالح اور نیک اس کے بالکل برعکس ہے۔

قوت اور امانت دونوں کسی ایک آدمی میں جمع ہوں ایسے لوگ آج بہت کم ہیں۔ اور اسی بنا پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اَشۡکُوۡا اِلَیۡکَ جَلۡدَ الۡفَاجِرِ وَمِجۡزَ الۡبُقَةِ.

اے اللہ! میں تیری جناب میں فاجر کی سختی اور بُزدل کی عاجزی کا شکوہ کرتا ہوں۔

پس ہر ولایت ﴿وزارت﴾، ہر اقلیم ﴿صوبے و جاگیر﴾، ہر ملک کے لئے باعتبار اس کی مرزبوم کے اصلح تلاش کرنا چاہیئے، جب کسی اقلیم، کسی ملک کے لئے امام والی اور حاکم مقرر کرنا چاہتا ہے تو ایسے دو آدمی ملتے ہیں۔ایک امانتدار ہے، دوسرا طاقتور ہے۔امام کا فرض ہے کہ اس اقلیم و ملک اور

ولایت کے لئے اُسے مقدم رکھے جو اس اقلیم وملک اور ولایت کے لئے زیادہ مفید اور زیادہ نفع بخش ہو اور ضرر ونقصان اس سے کم سے کم ہو۔

پس امارتِ حرب ﴿وزارتِ جنگ﴾، جہاد وجنگ کی سرداری ﴿سپہ سالاری﴾ کے لئے ایسا آدمی مقرر کرے جو قوی، دلیر، شجاع اور بہادر ہو، اگر چہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ اور ضعیف، عاجز وکمزور کے مقابلہ میں اسے ترجیح دے، اگر چہ وہ امین ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: دو آدمی ہیں، دونوں کے دونوں حرب و جہاد کے امیر وسردار ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک فاجر مگر قوی ہے، دوسرا صالح اور نیک ہے مگر ضعیف وکمزور ہے، تو دونوں میں سے کس کے ساتھ رہ کر جہاد کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا: فاجر قوی کی قوت مسلمانوں کے لئے ہے اور اس کا فسق وفجور اس کی اپنی جان کے لئے ہے۔ اور صالح ونیک ضعیف وکمزور ہے تو اس کی صلاح ونیک بختی اس کی جان کے لئے ہے۔ اور مسلمانوں کے ضعف کا موجب ہے۔ تو جہاد قوی وفاجر کیساتھ رہ کر کرنا چاہئے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّا اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِاالرَّجُلِ الفَاجِرِ.

بیشک اللہ تعالیٰ فاسق وفاجر آدمی سے بھی اس دین کی مدد کرا دیتا ہے۔

اور ایک روایت بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (فاجر آدمی) کی جگہ بِاَقْوَامٍ لَاخَلَاقَ لَھُمْ کے الفاظ استعمال کئے (یعنی ایسی قوم اور ایسے لوگوں سے مدد کرا دیتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں)

پس اس وقت جبکہ امیر وسالار قوی القلب، شجاع و بہادر اور دلیر میسر نہ آئے اور اس جگہ کو پُر کرنے کے لئے کوئی ایسا آدمی نہ مل سکے جو امیر حرب ﴿وزیر جنگ﴾ اور سالارِ جنگ مقرر کیا جائے تو اس وقت اصلح فی الدین ﴿متقی و پرہیز گار﴾ کو مقرر کر دے اور اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امارت حرب دی اور سپہ سالارِ اسلام بنایا تھا۔ جب سے وہ اسلام لائے تھے اس وقت سے یہ خدمت انہی کے سپرد رہی اور ان کی شان میں آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

سَیفٌ سَلَّہُ اللّٰہُ عَلَی الْمُشرِکِیْنَ.

خالد ایسی تلوار ہیں جو اللہ نے مشرکوں کی ہلاکت کے لئے کھلی رکھی ہے۔

باوجود اس کے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کبھی کبھی ایسی حرکتیں ہوا کرتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسے بُرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا:

اَللّٰھُمَّ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا فَعَلَ خَالِدٌ.

اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے، اس سے میں بری ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت کہا تھا جبکہ آپ نے خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ جزیمہ کی طرف بھیجا تھا۔ اور خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کر دیا تھا، اور معمولی شبہ کی بنا پر ان کا مال ومتاع لوٹ لیا تھا۔ حالانکہ یہ جائز نہیں تھا، اور ان کے ساتھ جو صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے انہوں نے بھی اس حرکت سے ان کو روکا تھا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جزیمہ سے ہمدردی برتی، الفت ومحبت کا اظہار فرمایا اور ان کا مال ومتاع واپس کرنے کی ضمانت دی۔ باوجود اس قسم کی لغزشوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ امارتِ لشکر اور فوج کی قیادت میں اُنہی کو مقدم رکھا۔ اور یہ اس لئے کیا کہ اُمور جنگ میں وہ دوسروں کے مقابلہ میں اصلح ﴿اہل﴾ تھے۔ اور غلطی معمولی سے معمولی تاویلوں کی بناء پر کر لیا کرتے تھے۔ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اگر چہ امانت وصداقت میں اصلح ﴿یعنی بڑھ کر﴾ تھے لیکن باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا:

یَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاکَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَأْمُرَنَّ عَلٰی اِثْنَیْنِ وَلَا تُوَلِّیَنَّ مَالَ یَتِیْمٍ (رواہ مسلم)

اے ابوذر! میں تمہیں ضعیف وکمزور پاتا ہوں۔ اور تمہارے لئے میں وہی پسند کرتا ہوں جو میں خود اپنے لئے پسند کرتا ہوں، تم کسی دو آدمیوں کا بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے مال کی کبھی ولایت ﴿سرپرستی وحفاظت﴾ نہ کرنا۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ نے امارت اور ولایت سے منع فرما دیا حالانکہ آپ سے مروی ہے:

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ اَصْدَقُ لَهْجَةً مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ.

نہ سبز گنبد نے سایہ کیا، نہ غبار مٹی نے جگہ دی، ابی ذر سے زیادہ سچے کو۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غزوۂ ذات سلاسل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے بھیجا تھا وہاں ان کے رشتہ دار وقرابتدار رہتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے، اُن سے بہتر آدمی موجود تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں بھیجا اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی کو بھیجا۔

اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت اس لئے دی کہ ان کے باپ کا بدلہ لے سکیں۔

غرض یہ کہ بعض لوگوں کو کسی مصلحت راجح کی بنا پر عامل اور گورنر بنا دیتے تھے، حالانکہ ان سے بہتر اور افضل، اور علم وایمان کے لحاظ سے بہت اچھے موجود ہوتے تھے۔

اسی طرح خلیفہ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، فتنہء ارتداد جب کھڑا ہو گیا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ہی امیر لشکر بنایا تھا۔ اور فتوح عراق وشام میں بھی انہیں کو امیر وسالار بنا کر بھیجا تھا، حالانکہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے تاویل کی بنیاد پر بعض ہفوات صادر ہوتی رہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ان ہفوات میں ان کی خواہش کو دخل تھا لیکن پھر بھی ان کو معزول نہیں کیا بلکہ عتاب کر کے چھوڑ دیا۔ اور مصلحت کو مفسدہ کے مقابلہ میں ترجیح دی، اور انہی کو باقی رکھا کہ کوئی دوسرا ان کا قائم مقام بن سکے ایسا نہیں تھا۔

علاوہ ازیں یہ کہ جب متولی کبیر، خلیفہ، والی، امیر ﴿حاکمِ وقت﴾ کے خلق میں نرمی ہو تو اسکے نائب میں شدت وسختی ہونا چاہئے۔ اور اگر متولی کبیر اور امیر میں سختی ہو تو نائب میں نرمی ہونی چاہئے تاکہ ایک کی سختی اور دوسرے کی نرمی سے اعتدال قائم رہے، اور اسی بناء پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو باقی اور قائم رکھنے پر مصر تھے۔ اس لئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نرم دل نرم خو تھے، اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو معزول کرنا چاہتے تھے اور ان کی جگہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو لانا چاہتے تھے، اس لئے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ میں سختی تھی جیسی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں سختی تھی اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نرم دل نرم

خو تھے جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اس وقت اصلح ﴿بہتر﴾ وہی تھا جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں لشکر اسلام کے سپہ سالار رہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لشکر اسلام کے والی ﴿سپہ سالار﴾ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح رہے۔

اور اس طرح معاملہ اعتدال پر رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے یہ فرمایا:

اَنَانَبِیُّ الرَّحْمَةِ . اَنَا نَبِیُّ الْمَلْحَمَةِ

میں نبی رحمت ہوں اور میں نبی ملحمہ (حرب و جنگ) ہوں۔

اور آپ کا ارشاد ہے:۔

اَنَا ا لضَّحُوکُ الْقَتَّالُ وَ اُمَّتِیْ وَسْطٌ.

میں زیادہ خندہ پیشانی لڑنے والا ہوں اور میری امت وسط ہے۔

اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ط تَرَاهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًامِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (فتح ع ۴)

کافروں کے حق میں بڑے سخت اور آپس میں رحم دل۔ تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہیں۔

اور اللہ کا فرمان ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَةٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ (مائدہ ع ۸)

مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کیساتھ کڑوے ہیں۔

اور اسی وجہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ولایت و امارت کامل تھی اور ولایت

﴿حکومت﴾ کے معاملات کامل طریقہ پرانجام پاتے رہےاوراعتدال قائم رہا۔اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یہ دونوں اپنی اپنی جگہ دو بازو سمجھے جاتے تھے۔ایک نرم دل،نرم خو تھے،دوسرے سخت دل اور سخت طبیعت تھےاورخود نبی کریم ﷺ نےان دونوں کی شان میں فرمایا:

اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ.

میرے بعدتم ابوبکر(رضی اللہ عنہ)اورعمر(رضی اللہ عنہ) کی اقتداءکرنا۔

چنانچہ مرتد ﴿منکرین زکوٰۃ﴾ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کیلئے سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سے شجاعتِ تقلب ﴿دلی قوت﴾ کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی حیران تھےاوراس کی امید قطعاً نہیں رکھتے تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس سے بے خبر تھےاور کہتے تھے صرف زکوٰۃ سے انکار کرنے پرآپ جہاد کیسے کرتے ہیں۔

پس اگرامانت وغیرہ کی ولایت اورامارت ہے،اورشدید وسخت آدمی کومقدم رکھا جائے،مثلاً مال کی حفاظت وغیرہ میں سخت آدمی کی ضرورت ہےلیکن مال نکلوانا اوراس کی حفاظت کے لئے قوت اور امانت کی ضرورت ہےاوراس لئے قوی اور سخت امیر وحاکم کی ضرورت ہے کہ اس کی طاقت سے مال وصول کیا جاسکے۔اورامین کاتب ومنشی کی ضرورت ہے کہ ان کی قابلیت سے مال محفوظ رہے،اور مال کی حفاظت ہوسکےاوریہی حال وحکم ہےامارتِ جنگ کا،صاحب علم ودین کےمشورے سےامیر جنگ سپہ سالار قائم کیا جائے،اور یہ ہردو مصلحتیں ملحوظ رکھی جائیں اوریہی حال وحکم تمام ولایتوں ﴿حکومتوں﴾، اور ہمہ قسم کی امارتوں ﴿وزارتوں﴾ کا ہے۔

اگرایک آدمی سے مصلحت امارت پوری نہ ہوسکےتو دو یا تین یازیادہ آدمی رکھے جائیں۔اورترجیح اصلح ﴿بہتر﴾کودی جائے۔اورمتعدد والی،گورنراورسردارمقررکئے جائیں،جب ایک سے کام انجام نہ پاتا ہو،بہرحال اصلح ﴿بہتر﴾کومقدم رکھا جائے۔

اورولایت قضاء(عدلیہ کےججوں) کیلئے اعلم ﴿قرآن وحدیث کا سب سے بڑا عالم﴾ اورع

﴿بہت زیادہ عبادت کرنے والا﴾ اور اکفاء ﴿قانع وصابر﴾ کومقدم رکھا جائے، اور اگر ایک اعلم ہے اور دوسرا اورع صاحب تقویٰ تو غور کیا جائے کہ اورع کی خواہش اور اعلم کا اشتباہ حکم ﴿فیصلے﴾ کے ظہور اور حکم کے اشتباہ میں خلل انداز تو نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے:

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْبَصِیْرَ النَّاقِدَ عِنْدَ وُرُوْدِ الشُّبُهَاتِ وَ یُحِبُّ الْعَقْلَ عِنْدَ حُلُوْلِ الشَّهَوَاتِ.

اللہ تعالیٰ بصیر و ناقد کو دوست رکھتا ہے ورد وشبہات کے وقت اور شہوات کے حلول کے وقت عقل کو محبوب رکھتا ہے۔

اور اکفاء کے مقابلہ میں رکھا جائے گا۔ اگر قاضی کو والی حرب، امیر جنگ یا والی عامہ ﴿یعنی گورنر﴾ کی تائید حاصل ہے تو قضاء ﴿فیصلے﴾ کیلئے اعلم ﴿زیادہ علم والے﴾ اور اورع ﴿صاحبِ تقویٰ﴾ کو ترجیح دی جائے گی۔ قاضی اعلم اور قاضی اورع کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور اگر علم و ورع کے مقابلہ میں قوت واعانت کی ضرورت زیادہ ہے تو اکفاء کو مقدم رکھا جائے کیونکہ قاضی مطلق کی شرط یہی ہے کہ وہ عالم، عادل اور نفاذِ حکم پر قادر ہو، اور قضاء پر یہ موقوف نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر والی کیلئے ایسا ہی ہونا چاہئے۔ پس مذکورہ صفات واوصاف میں سے کسی صفت کسی وصف میں بھی نقصان ہوگا تو اس کی وجہ سے خلل واقع ہونا ضروری ہے، اور کفایت جس قسم اور جس طرح کی بھی ہو، قہر وغضب کی ہو، یا احسان ورغبت کی، بہر حال کفایت کی ضرورت ہے۔

بعض علماء سے پوچھا گیا کہ قضاء ﴿عدلیہ﴾ کیلئے کوئی آدمی ﴿یعنی جج﴾ نہیں ملتا۔ اور ملتا ہے تو ایسا کہ عالم فاسق ہے یا جاہل دیندار، ان دونوں میں سے کسے ترجیح دی جائے؟ انہوں نے جواب دیا اگر غلبہ فساد کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو جاہل دیندار کو مقدم رکھا جائے۔ اور اگر غفلت حکام کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو عالم فاسق کو مقدم رکھا جائے اور اکثر علماء جاہل دیندار کو مقدم رکھتے ہیں کیونکہ تمام ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ متولی، امیر ایسا شخص ہو جو عادل اور شہادت کا

اہل ہو۔

اور شرطِ علم میں اختلاف ہے کہ کس قسم کا متولی امر ﴿جج﴾ ہونا چاہیئے! آیا وہ مجتہد ہو یا مقلد! یا امثل فالامثل کہ جیسا آدمی مل جائے مقرر کرلیا جائے۔ اس مسئلہ میں بحث وکلام کے لئے دوسری جگہ ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔ بہر حال غیر اہل کو متولی امر ﴿ذمہ داری﴾ بنانا ضرورت کے لئے جائز ہے اور اصلح ﴿یعنی بہتر﴾ کے موجود ہوتے ہوئے بھی جائز ہے، حالات کی اصلاح کا خیال رکھنا فرض ہے تاکہ ولایت امر اور امارت ﴿حکومت﴾ کی رعایا اور عامتہ الناس کو ضرورت ہے وہ پوری ہو جائے، جس طرح کہ معسر وتنگ دست کے لئے یہ ضروری ہے کہ قرض اور دین ﴿یعنی جرمانہ﴾ ادا کرنے کے لئے کوشش کرے، لیکن فی الحال اس سے اسی قدر ﴿مالیت﴾ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے جس قدر ﴿مالیت﴾ کے ادا کرنے کی توفیق ہو، اور جس طرح کہ جہاد کی تیاری کے لئے قوت اور گھوڑے باندھنے کا حکم ہے لیکن عجز و بے بسی کے وقت ساقط ہو جاتا ہے اور حسب استطاعت جو کچھ میسر آئے کرنا فرض ہے، اور ضروری ہے کہ جس قدر واجب وفرض ہے اُسے پورا کیا جائے بخلاف حج اور دوسری عبادتیں کہ ان میں یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ حج وغیرہ اس پر فرض ہے جو۔

مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًاط (آل عمران ع ١٠)

جس کو اس تک پہنچنے کا مقدور ہو۔

یہ فرض ہے کہ وہ استطاعت وقدرت پیدا کرے، کیونکہ حج واجب ہی اس وقت ہوتا ہے جب استطاعت موجود ہو۔ استطاعت پیدا کرنا اس پر فرض نہیں ہے۔

باب 4 (Chapter) کے مضامین

اصلح ﴿بہتر﴾ کی پہچان، مقصود ولایت ﴿حکومت کے اہداف﴾، مقاصد و وسائل کی

معرفت، مقصد ﴿حکومت و﴾ ولایت، دین کی اصلاح، جمعہ اور جماعت کا قیام، اور مخلوق کی دینی اصلاح۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں تمہارے پاس عُمال ﴿گورنر و افسر﴾ اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور نبی کی سنت سکھائیں اور دین کو جاری اور باقی رکھیں۔

اس باب میں اہم ترین چیز اصلح ﴿بہتر لائق اور اہل شخص﴾ کی پہچان ہے، اور مقصدِ ولایت و حکومت اور طریق مقصود کی پہچان سے اصلح کی پہچان ہوتی ہے ﴿یعنی مقصد حاصل کرنے کیلئے جو طریقہ اپنایا جائے اس کی بناء پر بہتر، لائق، اہل اور اصلح شخص کی پہچان ہوتی ہے لہٰذا﴾، جب تمہیں مقاصد و وسائل کی پہچان ہو جائے گی تو سمجھ لو اس کام کو تم نے پوری طرح سمجھ لیا۔

جب بادشاہوں اور سلاطین پر دنیا غالب آ گئی اور دین چھوڑ دیا تو ان کی ولایت ﴿یعنی حکومت﴾ وسلطنت میں ایسے لوگوں ﴿کو بیوروکریسی کے طور پر﴾ کو مقدم رکھا گیا جو اُن کے مقاصد کو پورا کریں۔ جو شخص اپنی ذات کے لئے ریاست کا طالب تھا اس نے اس کو مقدم رکھا جو اس کی ریاست کو قائم رکھے اور سنت نبوی ﷺ یہ تھی کہ امراء حرب ﴿یعنی وزیر جنگ﴾ جو سلطان کے نائب اور فوج و لشکر کے سپہ سالار ہیں وہ مسلمانوں کی نماز جمعہ اور جماعت پڑھائیں اور انہیں خطبہ دیں۔ اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کے لئے آگے کھڑا کیا تھا اور اسی لئے مسلمانوں کی امارتِ حرب اور سپہ سالاری وغیرہ میں انہیں کو مقدم رکھا گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کسی کو امیر حرب ﴿یعنی﴾ سپہ سالارِ لشکر بنا کر بھیجتے تھے، ﴿تو﴾ سب سے پہلے اُسے نماز جماعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ اسی طرح جب کسی کو کسی شہر کا عامل ﴿یعنی گورنر یا افسر﴾ بنا کر بھیجتے تھے تو اُسے جماعت سے نماز پڑھانے کا حکم فرماتے مثلاً سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ معظّمہ کا حاکم ﴿گورنر﴾ بنا کر بھیجا اور سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا حاکم بنا کر بھیجا اور سیدنا علی معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور سیدنا عمرو ابن حزم رضی اللہ عنہ کو نجران کا حاکم بنا

کر بھیجا تو یہ آپ ﷺ کے نائب ہی جماعت کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور حدود وغیرہ بھی یہی لوگ قائم کرتے تھے اور امیر الحرب ﴿یعنی سپہ سالار اور وزیر جنگ﴾ جو ﴿کچھ﴾ کیا کرتے تھے یہ ﴿گورنر وافسر﴾ بھی کرتے تھے ﴿یعنی ان کے اختیارات میں جنگ وانتظامِ جنگ اور سپہ سالاری کے اُمور بھی ہوا کرتے تھے﴾۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء نے بھی یہی کیا۔ بنوامیہ کے بادشاہوں اور بعض عباسیوں نے بھی یہی کیا اور اس لئے کیا کہ سب سے زیادہ اہم دین کے بارے میں نماز اور جہاد ہے اور یہی وجہ ہے جو اکثر احادیث نبویہ میں نماز اور جہاد کو ساتھ ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو کہا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدُکَ لِیَشْھِدَ لَکَ صَلٰوۃٌ وَ یَنْکَاء لَکَ عَدُوًّا.

اے اللہ تو اس بندے کو شفاء دے تا کہ تیری نماز میں حاضری دے اور تیرے دشمن کا مقابلہ کرے۔

جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا:

یَا مَعَاذُ اِنَّ اَھَمَّ اَمْرٍ عِنْدِی الصَّلٰوۃُ.

اے معاذ! سب سے اہم امر تمہارے لئے میرے نزدیک نماز ہے۔

اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے عُمال ﴿تحصیلداروں﴾ اور گورنروں کو لکھا کرتے تھے:

اِنَّ اَھَمَّ اُمُوْرِکُمْ عِنْدِی الصَّلٰوۃُ فَمَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا وَ حَفِظَھَا حَفِظَ دِیْنَہٗ وَ مَنْ ضَیَّعَھَا کَانَ سِوَاھَا مِنْ عَمَلِہٖ اَشَدُّ اِضَاعَۃً.

میرے نزدیک تمہارے لئے اہم ترین چیز نماز ہے جو شخص اس کی محافظت کرتا ہے اس نے اپنے دین کی حفاظت کرلی اور جس نے نماز کو ضائع کیا تو نماز کے سوا دوسرے اعمال کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

اور یہ اس لئے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُالدِّیْنِ.

نماز دین کا ستون ہے۔

جب متولی امر ﴿حاکم وقت، گورنر اور تمام افسر﴾ اس ستون کی حفاظت کریں گے تو نماز اُنہیں فحش اور منکرات سے بچالے گی۔ اور دوسری طاعات وعبادات میں معین ومددگار ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ط وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَا شِعِیْنَ (بقرہ ع ۵)

اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو اور البتہ نماز ﴿قائم کرنا بہت﴾ شاق ﴿بھاری اور مشکل﴾ ہے مگر ان پر نہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

اور فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ

(بقرہ ع ۱۹)

ایمان والو! تم کو کسی طرح کی مشکل پیش آئے تو اس کے مقابلہ کے لئے صبر اور نماز سے مدد لو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے فرماتا ہے:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُکَ ط وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی (طٰہٰ ع ۸)

اے ابراہیم! اپنے گھر والوں پر نماز کی تاکید رکھو اور خود بھی اسکے پابند رہو، ہم تم سے کچھ روزی تو طلب کرتے نہیں بلکہ ہم روزی دیتے ہیں اور انجام بخیر تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَمَا اُرِیْدُ اَنْ

يُّطْعِمُوْنَo اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِالْمَتِيْنُ (ذاریات ع ۳)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کیا کریں، ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہمیں کھلائیں۔ اللہ خود بڑا روزی دینے والا، قوت والا زبردست ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ولایات و امارات ﴿حکومت و اقتدار کا﴾ اصل مقصود اللہ کی مخلوق کی خدمت و اصلاح ہے۔ اور جب دین کو لوگ چھوڑ دیں گے تو سخت ترین گھاٹا اٹھائیں گے اور جو دنیوی نعمتیں ان کو دی گئی ہیں ان کو قطعاً مفید اور نفع بخش نہ ہوں گی اور جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح حاصل ہوتی ہے وہ نہ ہوگی۔

جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح ہوتی ہے وہ دو قسم کی ہے۔ ایک یہ کہ مال کو مستحق لوگوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ دوسری یہ کہ زیادتی اور ناحق لینے والوں کو عقوبت ﴿پکڑ﴾ اور سزا دی جائے، پس جو آدمی ظلم و زیادتی نہیں کرتا تو سمجھ لو اُس نے اپنے دین کی اصلاح کر لی اور اسی لئے خلیفہ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اِنَّمَا بَعَثْتُ عُمَّالِیْ اِلَیْکُمْ لِیُعَلِّمُوْکُمْ کِتَابَ رَبِّکُمْ وَ سُنَّةَ نَبِیِّکُمْ وَیُقِیْمُوْا بَیْنَکُمْ دِیْنَکُمْ.

میں اپنے عمال ﴿مال اکٹھا کرنے والے یعنی تحصیلدار اور دوسرے افسر﴾ اور گورنر تمہاری طرف اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تم کو تمہارے رب کی کتاب اور نبی کی سنت سکھائیں اور تم میں تمہارا دین باقی اور قائم رکھیں۔

پس اس وقت جبکہ رعیت ﴿عوام الناس﴾ بھی من وجہ بگڑ گئی ہے اور راعی ﴿حاکم وقت، صدر، وزیراعظم، گورنر، وزیر، مشیر، ساری کی ساری بیوروکریسی، جج، پولیس اور فوجی افسران﴾ بھی من وجہ بگڑ چکے ہیں اور اس کی وجہ سے تمام اُمور درہم برہم ہو گئے تو ان کی اصلاح بھی دشوار ہے۔ پس جو ''راعی''

حسب امکان لوگوں کے دین اور دنیا کی اصلاح کرے گا، وہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر و افضل اور افضل المجاہدین ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

یَوْمُ اِمَامٍ عَادِلٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً.

امام عادل ﴿یعنی عادل حکمران﴾ کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور مسند امام احمد رحمہ اللہ میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللهِ اِمَا مٌ عَادِلٌ وَ اَبْغَضُهُمْ اِلَيْهِ اَمَامٌ جَائِرٌ (مسند امام احمد)

مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب عادل حاکم ہے اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ﴿یعنی جس پر سب سے زیادہ اللہ کا غضب نازل ہو وہ﴾ آدمی ظالم حاکم ہے

اور صحیحین میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّاظِلَّهٗ. اِمَامٌ عَادِلٌ. وَشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللهِ. وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی يَعُوْدَ اِلَيْهِ. وَ رَجُلَانِ تَحَابَّافِی اللهِ اِجْتَمَعَا عَلٰی ذَالِک وَتفرَّقَا عَلَيْهِ وَ رَجُلٌ ذَكَر اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عِيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتَ مَنْصَبٍ وَ جَمَالٍ اِلٰی نَفْسِهَا. قَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُه مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُه (متفق علیه)

سات آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا، جبکہ اللہ کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہو گا، عادل حکمران، اور جوان آدمی جو عبادت میں اپنا وقت گزارتا ہے، اور وہ آدمی جس کا دل مسجد سے لگا ہوا ہے جب مسجد سے نکلتا ہے یہاں تک کہ وہ پھر لوٹ کر مسجد میں پہنچے، اور وہ دو آدمی جن کی دوستی محض اللہ کے واسطے ہو، دوستی کی وجہ سے وہ ملتے ہیں اور وہ آدمی جو خالص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے، اور وہ آدمی جس کو کسی

صاحب منصب و جمال عورت نے نفس پرستی کیلئے بلایا اوراس نے کہہ دیا میں اللہ! رب العالمین سے ڈرتا ہوں اوروہ آدمی جو خیرات دے اور اِس کو چھپائے یہاں تک کہ اس کا داہنا ہاتھ خرچ کرتا ہے تو اِس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ. سُلْطَانٌ مُقْسِطٌ. وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَقِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَرَجُلٌ غَنِيٌّ عَفِيفٌ مُتَصَدِّقٌ.

تین قسم کے لوگ جنتی ہیں، عادل حکمران، اور جو رحمدل رقیق القلب ہے ہر قرابتدار اور ہر مسلمان پر رحم کرتا ہے، اور وہ آدمی جو غنی اور با عفت ہے اور خیرات کرتا ہے۔

اور سنن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

اَلسَّامِيْ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ.

اللہ کیلئے جو صدقہ و خیرات کی کوشش کرتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا تو فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط (بقرہ ع ۲۴)

اور وہاں تک ان سے لڑو کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے اور ایک اللہ کا دین چلے۔

رسول اللہ ﷺ کی جناب میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آدمی کبھی شجاعت دکھانے کو جنگ کرتا ہے، کبھی حمیّت ﴿وغیرت﴾ کی وجہ سے، اور کبھی ریاء اور دکھاوے کے لئے، تو ان میں سے کونسا فی سبیل اللہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. (اخرجاه فی الصحیحین)

جو اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین بلند ہو، وہ فی سبیل اللہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جہاد کا مقصد بھی یہ ہے کہ سب کا سب اللہ کا دین ہو اور اللہ کا دین بلند ہو اور

''کلمۃ اللہ'' ایسا جامع اسم ہے جو کتاب اللہ پر بھی مشتمل اور متضمن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط (حدید ع ۳)

البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دے کر بھیجا ہے اور انکی معرفت کتابیں اُتاریں اور نیز ترازو تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

رسولوں، پیغمبروں کو بھیجنے اور کتاب نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں عدل وانصاف قائم کریں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بَالْغَيْبِ. (حدید ع ۳)

اور ہم نے لوہا نازل کیا، اس میں بڑا خطرہ ہے اور اس میں لوگوں کے فائدے بھی ہیں، اور ایک غرض یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو معلوم کرے جنہوں نے اللہ کو دیکھا نہیں، اور پھر بھی اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے اُسے لوہے ﴿یعنی تلوار، گولی اور بم وغیرہ﴾ سے سیدھا کیا جائے، اس لئے کہ دین کا ﴿قیام و﴾ قوام، دین کی مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ ﴿قرآن وسنت﴾ اور شمشیر وبندوق ہوتی ہے۔

اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا

ہے۔اِنْ نَضْرِبَ بِھٰذَا۔یعنی ہم تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے۔

پس جبکہ مقصود یہ ہے تو اقرب فالاقرب طریقے سے مقصود حاصل کیا جائے،اور ایسے دو آدمیوں کو دیکھا اور جانچا جائے کہ اقرب الی المقصود (Near to requirement) دونوں میں سے کون ہے؟ جو دونوں میں اقرب الی المقصود ہو اُسے ولی امر ﴿حاکم،گورنر،مجاز افسر،جج،سپہ سالار،زکوٰۃ وصدقات اکٹھا کرنے والے تحصیلدار﴾،اور ﴿چھوٹا بڑا﴾ امیر مقرر کیا جائے۔

پس اگر صرف ولایت وامامت ﴿حکومت وحکمرانی﴾ ہے تو ایسے شخص کو مقدم رکھنا چاہیئے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقدم رکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَءُ هُمْ لِکتَابِ اللهِ فَاِنْ کَانُوْا فِی قِراءَ ةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سَنًّا وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِهٖ وَلَا یَجْلِسُ عَلٰی تَکْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاذْنِهٖ (رواہ مسلم)

قوم کی ﴿نمازِ باجماعت کی﴾ امامت وہ کرے جو زیادہ قرأۃ جاننے والا ہو،اگر قرأۃ میں سب برابر ہیں تو سنت کو جاننے والا امامت کرے،اگر سنت جاننے میں سب برابر ہیں تو امامت وہ کرے جو ہجرت میں مقدم ہے،اگر ہجرت میں تمام برابر ہیں تو زیادہ عمر والے کو امام مقرر کرنا چاہیئے اور کوئی آدمی اس کی حکومت میں امامت نہ کرے،اور اس کی عزت کی جگہ اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔

جب دو آدمی برابر ہیں،اور دونوں میں سے کسی ایک کا اصلح ﴿بہتر﴾ ہونا معلوم نہ ہو سکے تو قرعہ ڈالنا چاہیئے،جس طرح کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر کیا تھا،لوگ باہم مشاحرۃ اور جنگ کیلئے تیار ہو گئے کہ اذان ہم کہیں گے اور بہت سے آدمی اپنا استحقاق جتانے لگے،اس

وقت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی اتباع ﴿پیروی﴾ کی گئی کہ:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لا ستهَمُّوْا.

اورلوگ اذان کی حقیقت اور صف اوّل کا ثواب سمجھ لیں تو اذان اور صف اوّل کیلئے قرعہ ڈالنے کی ضرورت پڑے تو قرعہ ڈالیں مگر ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

جب وجہ ترجیح مخفی ہو تو قرعہ ڈالے، ایسا کرلیا تو متولی امر ﴿یعنی حاکم﴾ نے امامت کا حق ادا کر دیا، اوراس کی ولایت مستحق وحقدار کو پہنچادی۔

نوٹ: امانتوں کی ایک قسم یعنی حکومت واقتداراوراختیار ﴿یعنی ٹرانسفر آف پاور Transfer of Power﴾ حقدار، اہل اور ''اصلح''، شخص کو دینے کے متعلق بحث مکمل ہوئی۔اب امانت کی دوسری قسم ''مال ودولت کی تقسیم'' کے متعلق گذارشات پیش کی جائیں گی۔

باب 5 (Chapter) کے مضامین

امانتوں کی دوسری قسم مال ہے، اور یہ دیوان خاصّہ و عامّہ، ودیعت ﴿کوئی چیز تحفہ کی صورت میں دینا﴾، شرکت، توکل، مضاربت، یتیم کے مال، اور وقف وغیرہ پر مشتمل ہے، اور صدقہ، خیرات فقراء کو، مسکینوں کو، اور عاملین ﴿زکوٰۃ وصدقات وغیرہ اکٹھا کرنے والے تحصیلدار﴾، مؤلفۃ القلوب ﴿کسی کا دل جیتنے کیلئے﴾ کو، غلام آزاد کرانے میں، قرضداروں کو دینا، اللہ کی راہ میں دینا وغیرہ کو شامل ہے۔

امانتوں کی دوسری قسم مال سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ قرض اور دین ﴿جرمانہ وغیرہ﴾ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا. فَلْیُؤَدِّ الَّذِیْ اُؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (بقرہ ع ۳۹)

پس اگر تم میں سے ایک ﴿شخص﴾ دوسرے کا اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اُسے چاہیئے کہ قرض دینے والے کی امانت کو ادا کر کر دے، اور اللہ سے، جو اس کا کارساز ﴿رب اور پروردگار﴾ ہے، ڈرے۔

اس قسم میں اعیان ﴿جن کی مدد کی جائے﴾، دیوان خاصّہ و عامّہ، مثلاً ودیعتیں ﴿تحفے﴾ اور شریک، مؤکل، مضارب، یتیم کا مال، وقف، بیعات کی قیمت ادا کرنا، قرض، عورتوں کے مہر، منافع کی اُجرتیں وغیرہ شامل ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا o اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا o وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا o اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ o وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ o لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ o الی قوله. وَالَّذِیْنَ لِاَمَانَاتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ

بیشک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، اور جب اس کو فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر جو نماز گزار ہیں وہ اپنی نمازوں کو کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے اور جن کے مال و دولت میں منہ پھوڑ کر مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حصہ معین ہے، ......اللہ کے اس فرمان تک، ......اور جو (اپنی تحویل کی) امانتوں کا، اپنے وعدے اور عہد کا پاس کرتے ہیں۔ (معارج ع۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰهُ وَلَا تَکُنْ لِلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا o (نساء ع ۱۶)

اے پیغمبر ﷺ ہم نے کتابِ برحق تم پر نازل کی ہے کہ جیسا تم کو اللہ نے بنا دیا ہے اسکے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو۔ اور دغا بازوں کے طرف دار نہ بنو۔

اوررسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَکَ.

تمہارے پاس جس نے امانت رکھی ہے تو اُسے تم دے دو، اور تمہارے ساتھ کوئی خیانت کرے تو تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ. وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ عَمَّا نَهَی اللّٰهُ عَنْهُ. وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهَ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ.

مومن وہ ہے جسے مسلمان امین سمجھیں خون کے بارے میں اور مال کے بارے میں اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو سلامتی ملے، اور مہاجر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے رُک جائے اور مجاہد وہ ہے جو ذات الٰہی کیلئے اپنی جان سے جہاد کرے۔

یہ حدیث صحیح ہے، حدیث کے بعض حصے بخاری و مسلم میں ہیں اور بعض حصے سنن ترمذی میں بھی ہیں۔

اوررسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَائَهَا اَدَاهَا اللّٰهُ عَنْهُ. وَمَنْ اَخَذَهَا يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ. (رواہ البخاری)

جو لوگوں کا مال اس ارادہ سے لیتا ہے کہ اُسے ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرا دیتا ہے اور جو اس ارادہ سے لیتا ہے اُسے تلف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے تلف کرا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان امانتوں کے متعلق فرض کیا ہے جن پر کسی حق سے فیصلہ کیا گیا ہے، اور تنبیہ فرماتا ہے کہ جب اس میں غصب یا دُوری کی گئی ہو، یا خیانت وغیرہ ہوئی ہو یا کسی قسم کا ظلم ہوا ہو، تو ان کا ادا

کرنا فرض ہے، اسی طرح عاریت ﴿مانگ کر یا ادھار﴾ اور مستعار چیزیں بھی واپس کرنا فرض ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے:

اَلْعَارِیَۃُ مُؤَدَّاۃٌ وَالْمَنْحَۃُ مَرْدُوْدَۃٌ وَالدَّیْنُ مَقْضِیٌّ وَالزَّعِیْمُ غَارِمٌ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ.

عاریۃً ﴿ادھار یا مانگ کر﴾ لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور اونٹ کا بچہ جس کیلئے مخصوص کیا گیا ہو اُسے دے دیا جائے، اور قرض ادا کر دیا جائے، اور زعیم وقائد پر جو لازم ہے ادا کر دے بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا۔ پس وارث کیلئے وصیت نہیں ہے۔

﴿امانتوں کی﴾ اس قسم میں والیان امر ﴿تمام بیوروکریٹ﴾، والیان ملک ﴿حاکمِ وقت﴾، اور رعیت ﴿عوام الناس﴾ سب شامل ہیں، والیان امر، ﴿تمام بیوروکریٹ﴾، والیان ملک ﴿حاکمِ وقت﴾، اور رعیت ﴿عوام الناس﴾ سب کا فرض ہے کہ ایک دوسرے پر جو واجب ہے اُسے ادا کریں، پس سلطان ﴿حاکمین وقت﴾ اور نائبین سلطان ﴿گورنر وافسران﴾ کا فرض ہے کہ وہ ﴿لوگوں کو مال و دولت﴾ عطاء ﴿کرنے﴾ میں کوتاہی نہ کریں، اور مستحقین، حقداروں کے حقوق پورے پورے دے دیں، اور اہل دیوان کا فرض ہے کہ وہ سلطان ﴿یعنی حکام﴾ کو وہ دے دیں جس کا دینا ان پر ﴿فرض﴾ کیا گیا ہے، اسی طرح رعیت ﴿عوام الناس﴾ پر فرض ہے کہ ان پر جو حقوق لازم کئے گئے ہیں ادا کر دیں، اور رعیت کے لئے یہ جائز نہیں کہ والیان ملک ﴿یعنی حکام﴾ سے وہ ایسا مطالبہ کریں جس کا ان کو حق نہیں دیا گیا۔ اگر یہ مطالبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے ماتحت آجائیں گے:

وَ مِنْھُمْ مَنْ یَّلْمِزُکَ فِی الصَّدَقَاتِ ط فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْھَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْھَا اِذَا ھُمْ یَسْخَطُوْنَ o وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗٓ اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْنَ o اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی

الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ o (توبه ع ۸۰۷)

اور اے پیغمبران میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خیرات میں تم پر الزام لگاتے ہیں، پھر اگر ان کو اس میں سے دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں، اور اگر اس میں سے ان کو نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اگر یہ اس کو خوشی سے لے لیتے اور کہتے کہ اللہ ہم کو بس کرتا ہے، اور اب نہیں دیا تو کیا ہے، آئندہ اپنے کرم سے اللہ اور اس کا رسول ہم کو دیں گے ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے بیٹھے ہیں، خیرات تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا، اور ان کارکنوں کا جو خیرات وصول کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے اور نیز قید و غلامی سے غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں، اور قرضداروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں کے زادِ راہ میں، یہ ﴿مراتب﴾ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا بڑا با تدبیر ہے۔

اور انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ والی سلطان ﴿حاکمِ وقت﴾ کے وہ حقوق جو ان لوگوں پر واجب ہیں روک لیں۔ اور نہ دیں، اگر چہ سلطان ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، اور یہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب والیان ملک ﴿حاکم و گورنرز﴾ کے ظلم و جور کی شکایت کی گئی تھی فرمایا:

اَدُّوْا اِلَيْهِمُ الَّذِىْ لَهُمْ فَاِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ.

جو حق اُن کا تم پر ہے، ادا کر دیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ رعیت ﴿عوام الناس﴾ کے حقوق کا سوال اُن سے کرے گا۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَئِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ بَعْدِىْ وَسَيَكُوْنُوْا خُلَفَاءَ. وَيُكْثِرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَامُرُنَا قَالَ اَوْفُوْا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَاِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ

عَمَّا اسۡتَرۡعَاهُمۡ. (صحیح بخاری ومسلم)

بنی اسرائیل کی سیاست ﴿یعنی حکومت﴾ انبیاء کرام کیا کرتے تھے، جب کسی پیغمبر کی وفات ہوتی تھی دوسرے پیغمبر کو خلیفہ بنالیتے، اور میرے بعد کوئی نبی وپیغمبر نہیں ہوگا، خلفاء ہونگے، اور بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا ایسے وقت میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیعت کو پوری دیانتداری سے پورا کرو، جس سے پہلے بیعت کی ہے اُسے پورا کرو، جو حقوق تم پر ہیں اُن کو دے دو، رعایا کے حقوق اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ لے گا۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّكُمۡ سَتَرَوۡنَ بَعۡدِیۡ أَثۡرَةٌ. وَ تَنۡكِرُوۡنَهَا. قَالُوۡا فَمَا تَامُرُنَا يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ قَالَ اَدُّوۡا اِلَيۡهِمۡ حَقَّهُمۡ. وَاَسۡئَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمۡ.

میرے بعد تم دولت وثروت بہت دیکھو گے اور ایسے اُمور اور ایسی باتیں بھی دیکھو گے جنہیں تم بُرا سمجھو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے وقت آپ میں ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے حقوق جو تم پر ہیں تم ادا کر دیا کرو، اور اپنے حقوق تم اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔

پس والیان مال ﴿یعنی وزیر خزانہ اور اس کے ماتحت تمام چھوٹے بڑے بیوروکریٹ اور کلریکل اسٹاف﴾ کو کسی طرح حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کو اپنی خواہشات کے مطابق تقسیم کریں۔ جس طرح کہ مال کے مالک اپنا مال تقسیم کر لیتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں لیتے دیتے ہیں، کیونکہ والیان مال اس مال کے مالک نہیں ہیں بلکہ امین ﴿امانت دار﴾، نائبِ ﴿سلطان﴾ اور وکیل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنِّیۡ وَاللّٰهِ لَا اُعۡطِیۡ اَحَدًا وَلَا اَمۡنَعُ اَحَدًا اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ. اَضَعُ حَيۡثُ اُمِرۡتُ.

(رواہ البخاری)

اللہ کی قسم! میں نہ کسی کو دیتا ہوں، نہ کسی سے مال کو روکتا ہوں، میں تو حقداروں پر اسی طرح تقسیم کرتا ہوں جیسا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے۔

غور کیجئے نبی کریم ﷺ رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں، لیکن فرماتے ہیں: دینے اور نہ دینے میں اپنے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، اور تقسیم کرنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں، جس طرح کہ مال کے مالکوں کو حق اور اختیار ہوا کرتا ہے، ﴿یعنی وہ﴾ ہر طرح اس میں تصرف کر سکتے ہیں۔ اور سلاطین شاہانِ دنیا بغیر کسی حق اور بغیر اِستحقاق کے جس سے محبت کرتے ہیں اُنہیں دیتے ہیں، اور جس سے ناراض ہوتے ہیں اُسے محروم کر دیتے ہیں ﴿جیسا کہ آجکل پاک سرزمین میں بھی ہو رہا ہے﴾، لیکن اللہ کے پیغمبر ﷺ، اللہ کے بندے ہیں، اور جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتے ہیں۔

اسی طرح سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی کیا کرتے تھے۔ کسی نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ کچھ اپنے لئے وسعت کر لیا کریں تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کے مال میں سے کچھ زیادہ لے لیا کریں تو اچھا ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میری اور ان لوگوں کی مثال تمہیں معلوم نہیں ہے، ان کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ سفر کر رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنا مال جمع کر کے ایک ﴿شخص﴾ کے سپرد کیا کہ یہ مال ہمارے لئے مناسب طریقہ سے خرچ کرنا، تو کیا اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اپنے لئے اس مال میں سے لے لے اور جس طرح چاہے خرچ کرے؟

ایک مرتبہ خمس میں ﴿یعنی مالِ غنیمت کے پانچویں حصے سے﴾ بہت سا مال ﴿و دولت﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مال دیکھ کر بولے اُنھوں نے امانتیں دے دیں خوب کیا، بعض حاضرین بولے آپ امانت کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں تو لوگوں نے امانتیں آپ کو دے دیں، اگر آپ اس میں خرد برد کرتے تو یہ لوگ بھی خرد برد کرتے۔

اور سزاوار اور لائق یہ ہے کہ لوگ اس حقیقت کو سمجھیں کہ اولی الامر ﴿حاکم﴾ کیا ہے اور اسکی حیثیت کیا ہے؟ اولی الامر کی مثال بازار کی سی ہے، بازار میں جیسا کرو ویسا لے لو، جیسے دام ویسا مال۔

چنانچہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اگر تم صدق وصداقت، برّ ونیکی، عدل و انصاف اور امانتداری کروگے تو تمہیں اس کے بدلہ میں یہی چیزیں ملیں گی۔ اگر تم کذب وجھوٹ، ظلم و جور، خیانت و بددیانتی کروگے تو تمہیں اس کے جواب میں یہی ملے گا، اسی لئے ولی امر ﴿بیوروکریٹ افسر اور﴾ سلطان ﴿حاکمِ وقت، گورنر، وزیر، مال و دولت پر متعین شخص﴾ کا فرض ہے کہ حلال وطیب طریقہ سے حاصل کرے، اور جہاں حق ہو وہاں خرچ کرے، اور مستحق، حقداروں کو محروم نہ کرے۔

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ اطلاع ہوئی کہ آپ کے بعض نائب رعایا پر ظلم و جور کر رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَمْ اٰمُرْھُمْ اَنْ یَّظْلِمُوْا خَلْقَکَ وَلَا یَتْرُکُوْا حَقَّکَ.

اے اللہ میں نے ان کو ظلم و جور کا حکم نہیں دیا اور نہ تیرا حق چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔

باب 6 (Chapter) کے مضامین

سلطانی مال جس کا کتاب وسنت میں ثبوت موجود ہے، مال تین قسم کا ہے، مال غنیمت، مال صدقہ وخیرات، مال فئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ چیزیں تمام انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ دی گئی ہیں، تمہارے کمزوروں کی وجہ سے تمہیں روزی اور نصرت ملتی ہے۔ مالِ غنیمت ﴿جمع کرنے والے﴾ غانمین میں تقسیم کیا جائے، بنوامیہ، بنوعباس نے بھی ایسا کیا۔

وہ سلطانی مال ﴿یعنی بیت المال﴾ جس کی اصل کتاب وسنت میں ہے، تین قسم کا ہے، مالِ غنیمت، مالِ صدقہ وزکوٰۃ، مالِ فئے۔ مالِ غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے قتال و جنگ کر کے لیا جائے، اس کا ذکر اللہ نے سورۂ انفال میں کیا ہے، اور یہ سورۃ غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے، اللہ نے اس سورت کو انفال اس لئے کہا ہے کہ مسلمانوں کے مال میں زیادتی ہو رہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ط اِلٰی قَوْلِہٖ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی . وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (الانفال ع ۱)

اے پیغمبر! مسلمان سپاہی تم سے مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ مالِ غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے...... جان رکھو کہ جو چیز تم لڑائی میں لوٹ کر لاؤ، اُس کا پانچواں حصہ اللہ کا اور رسول کا اور رسول کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا، محتاجوں کا، اور مسافروں کا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o (انفال ع ۹)

تو جو کچھ تم کو غنیمت سے ہاتھ لگا ہے اُس کو حلال، طیب ﴿اور پاکیزہ﴾ سمجھ کر کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور صحیح بخاری اور مسلم میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُعْطِیْتُ خَمْسًا. لَمْ یُعْطِیْھِمْ نَبِیٌّ قَبْلِیْ. نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَۃَ شَھْرٍ. وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طُھُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْہُ الصَّلٰوۃُ. فَلْیُصَلِّ. وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ . وَ لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍقَبْلِیْ . وَ اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ. وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً.

مجھے پانچ چیزیں دیں گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ایک یہ کہ ایک مہینہ کی مسافت سے میرا رعب پڑتا ہے، اور مجھے فتح دی گئی ہے، اور تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے کی جگہ بنائی گئی، پس میری اُمت میں سے جس کو نماز کا وقت آجائے نماز

پڑھ لے، اور میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے، اور مجھ سے پہلے نبی پیغمبر اپنی قوم کیلئے بھیجے جاتے تھے اور میں ﴿قیامت تک آنے والے دنیا کے﴾ تمام لوگوں کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ. حَتّٰى يَعْبُدُوا اللهَ وَحدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ. وَجُعِلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ. وَجُعِلَ الذُّلُّ وَ الصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ. وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (رواه احمد فی المسند)

میں قیامت کے قریب تلوار لے کر مبعوث ہوا ہوں، تا کہ لوگ اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں، اور میرا رزق میرے نیزے ﴿جیسے آجکل کے میزائل﴾ کے سایہ کے نیچے گردانا ﴿گیا ہے یعنی رکھ دیا گیا﴾ ہے، اور جو میری مخالفت کرے گا اُس کے لئے ذلت وخواری ہے، اور جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ اُنہیں میں سے ہوگا۔

پس فرض ہے کہ مالِ غنیمت میں سے خمس ﴿یعنی﴾ پانچواں حصہ نکال لیا جائے، اور اس خمس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب خرچ کیا جائے اور باقی کا مال غانمین یعنی غنیمت کا مال جمع کرنے والوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''مال غنیمت ان لوگوں کے لئے ہے جو جہاد میں شریک ہیں، اور وہ ایسے لوگ جو قتال و جہاد کے لئے حاضر اور موجود رہے، قتال و جنگ کریں یا نہ کریں، اور غنیمت کا مال تقسیم کرنے میں نہ کسی کی ریاست وحکومت سے ڈرنا چاہیئے نہ خاندان ونسب کی افضلیت سے مرعوب ہونا چاہئے، اور پورے عدل وانصاف سے تقسیم کر دینا چاہیئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے ﴿آپ﴾ کو افضل واولیٰ سمجھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ.

تم لوگوں کو نصرت اور رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

اور مسند احمد میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ ایک آدمی قوم کی حمایت و سرداری کی حیثیت سے لڑ رہا ہے تو اس کا حصہ دوسروں کے برابر ہی ہونا چاہیئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ اِبْنَ اُمِّ سَعْدٍ وَھَلْ تُرْزَقُوْنَ وَ تُنْصَرُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِکُمْ.

اے ابن ام سعد! تمہاری ماں تم پر روئے کیا تم کو رزق اور نصرت تمہارے کمزوروں کی وجہ سے نہیں دی جاتی؟

﴿اس سے ثابت ہوا کہ کمانڈر انچیف اور دیگر فوجی افسران و ممبران اور عام فوجی کا حصہ ایک جیسا ہے لیکن کیا ہمارے ملک میں فوجی کی تنخواہ کم اور افسر کی زیادہ نہیں؟ اگر ہے تو وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے﴾

چنانچہ دولت بنی اُمیہ اور دولت بنی عباس میں مالِ غنیمت غانمین، غنیمت حاصل کرنے والوں پر تقسیم ہوتا رہا۔ جبکہ مسلمان روم اور ترکوں اور بربر کے خلاف جنگ و جہاد کرتے تھے، ہاں امام ﴿حاکمِ وقت﴾ کے لئے یہ جائز ہے کہ ﴿جو مجاہد، فوجی یا افسر﴾ کوئی خطرناک اور اہم کام انجام دیدے، مثلاً بلند قلعے پر چڑھ گیا، اور دشمن کو شکست ہوئی، اس کے مثل کوئی دوسرا کام کیا تو اس کو نُفل یعنی زیادہ دیدے، کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے نُفل دیا تھا، چنانچہ سریۂ بدایہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے علاوہ ایک ربع اور دیا تھا، اور غزوۂ رجعہ میں خمس کے بعد ایک ثلث دیا تھا۔

ہاں اس نُفل و اضافہ کے متعلق علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں: یہ نُفل اور زیادتی خمس کے مال میں سے دی جائے، اور بعض کہتے ہیں، خمس کے پانچویں حصہ میں سے دی جائے، تاکہ بعض غانمین کو بعض پر فضیلت و برتری نہ ہو سکے، اور صحیح یہ ہے کہ خمس کے چوتھے حصہ میں سے نفل و زیادتی دی جائے۔ گو بعض لوگ افضل و برتر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن یہ نفل کسی دینی مصلحت کی بنا پر ہونا چاہیئے، خواہش نفس کو اس میں دخل نہ ہو۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ مصلحت کی بنا پر نُفل دیا ہے۔

اور یہی قول فقہاء شام، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے، اور اسی قول کے مطابق کہا گیا ہے کہ بلا کسی ربع اور ثلث کے دیا جائے۔ اس سے زیادہ ﴿دینے﴾ کیلئے شرط لگائی جائے، مثلاً امام ﴿حاکم وقت﴾ یا سپہ سالارِ لشکر یہ کہے کہ جو شخص فلاں قلعہ سر کرے گا، یا جو فلاں کا سر لائے گا اُس کو یہ یہ ﴿نُفل یعنی انعام﴾ دیا جائے گا۔

اور بعض کہتے ہیں ایک ثلث سے زیادہ نفل نہ دیا جائے، ہاں شرط لگا کر دیا جا سکتا ہے، یہ دونوں قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے ہیں۔

اور اسی طرح صحیح قول کے بموجب امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ کہے: جس شخص نے جو چیز لے لی وہ اس کی ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر میں نبی کریم ﷺ نے کہا تھا، لیکن یہ اس وقت جبکہ مصلحت راجح ہو اور مفسد کی اُمید کم ہو۔

جب امام ﴿حاکمِ وقت یا سپہ سالار﴾ مالِ غنیمت جمع کرے یا اُسے تقسیم کرے تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں کسی قسم کا غبن کرے، اور جو شخص غبن کرے گا قیامت کے دن اس کی پوچھ گچھ ہو گی، کیونکہ غلول اور غبن بھی خیانت ہے، نیز مال غنیمت میں نہب و غارتگری بھی جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے نہب و غارتگری کو روکا ہے۔

جب امام ﴿حاکمِ وقت یا سپہ سالار﴾ نے مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے عام اجازت دے دی کہ جس کے ہاتھ لگے وہ اس کا ہے، تو اس صورت میں خمس ادا کرنے کے بعد ایسا کرنا حلال و جائز ہے، اور اِذن و اِجازت کے لئے کوئی خاص الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح بھی اور جس طور پر بھی اِذن و اجازت دی جائے وہ اِذن و اجازت ہے، اور جب عام اُذن و اجازت نہ دی گئی ہو، اور اس صورت میں کوئی شخص کچھ لے لے تو جو قسمت اور حصہ میں آئے اتنی ہی مقدار عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے لے سکتا ہے۔

اگر امام نے مالِ غنیمت جمع کرنے سے روک دیا ہے، اور حالات کچھ ایسے ہی ہیں، اور امام نے

حالات کی بنا پر یہ طے کرلیا کہ وہ جو چاہے گا کرے گا، تو اس وقت دونوں متقابل ہوتے ہیں، تو دونوں قول چھوڑ دیئے جائیں، اور درمیانی راہ اختیار کی جائے، اس لئے کہ دِیۡنُ اللهِ وَسۡطٌ. اللہ کے دین کی راہ متوسط ہے۔

اور مال کی تقسیم میں عدل وانصاف یہ ہے کہ پیادہ ﴿پیدل فوج﴾ کو ایک حصہ اور سوار کے لئے جو ﴿اپنا﴾ عربی گھوڑا رکھتا ہے تین حصے۔ ایک حصہ اس کا اور دو حصے گھوڑے کے۔ ﴿آجکل جو اپنی گاڑی وٹینک چلائے وہ بھی اسی حکم میں ہے﴾ چنانچہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔

بعض فقہاء کہتے ہیں: سوار کو دو حصے دیئے جائیں ایک حصہ اس کا اور ایک اس کے گھوڑے کا۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ صحیح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ گھوڑے کے ساتھ اس کا سائیس ﴿کھانا پینا اور دیگر خدمت وخرچہ﴾ وغیرہ بھی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے گھوڑا زیادہ محتاج ہے، اور پیادہ کے مقابلہ میں سوار ﴿مجاہد﴾ سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔

بعض فقہاء کا قول ہے عربی گھوڑے اور ہجین گھوڑے کو برابر حصہ دیا جائے۔ اور بعض کا قول ہے عربی گھوڑے کو دو حصے دیئے جائیں اور ہجین کو ایک حصہ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے مروی ہے۔ اور ہجین اس گھوڑی کو کہتے ہیں جس کی ماں نبیطہ ہو، اسے برذون بھی کہتے ہیں، بستری بھی کہتے ہیں، خصی اور غیر خصی گھوڑے کا یہی حکم ہے۔

سلف اُمت اس گھوڑے کو جو کسی گھوڑے پر نہ کودا ہو، کچھ حیثیت سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں قوت اور تیزی زیادہ ہوا کرتی ہے، اس کا کوئی صہیل نہیں ہے، اور اس کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے۔

اگر مالِ غنیمت میں مسلمان کا مال ہے خواہ زمین ہو یا مال منقولہ اور تقسیم سے پہلے لوگ اُسے جانتے بھی تھے، تو یہ مال اُسے واپس کر دیا جائے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مالِ غنیمت کے متعلق بہت سی تفریعات اور بہت سے احکام ہیں۔ اور بہت سے آثار اور اقوالِ سلف موجود ہیں۔ بعض متفق علیہ ہیں بعض میں اختلاف ہے لیکن موقع اس کے بیان کا نہیں ہے، یہاں

چند جامع جملے ہم نے پیش کر دیئے ہیں۔

باب7 (Chapter) کے مضامین

صدقہ زکوٰۃ آٹھ قسم کے لوگوں کو دیئے جانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی ضرورت ہے۔

صدقہ وزکوٰۃ ان لوگوں کے لئے ہے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، ایک آدمی نے آپ سے زکوٰۃ مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ لَمْ یَرْضَ فِی الصَّدَقَةِ بِقَسْمِ نَبِیّ وَلَا غَیْرِہ وَلٰکِنْ جَزَّأھا ثَمَانِیَةَ اَجْزَاءَ فَاِنْ کُنْتَ مِنْ تِلْکَ الْاَجْزَاءِ اَعْطَیْتُکَ.

صدقہ وزکوٰۃ کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نہ کسی نبی سے راضی ہے نہ غیر سے، بلکہ اُس نے خود آٹھ قسم کے لوگوں کی تقسیم کر دی ہے، اگر تم ان آٹھ قسموں سے کسی میں ہو تو تم کو بھی دوں گا۔ آٹھ قسمیں یہ ہیں:

1۔ **اَلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ.** فقراء اور مساکین ہیں۔ ان کو اس قدر دیا جائے جو اُن کی ضرورت و حاجت کے لئے کافی ہو۔ غنی و مالدار کے لئے صدقہ وزکوٰۃ جائز نہیں ہے، جو قوی طاقتور ہو اور کما کر کھا سکے، اس کے لئے بھی ﴿صدقہ وزکوٰۃ﴾ جائز نہیں ہے۔

2۔ **وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا.** اور عاملین زکوٰۃ۔ یہ صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے والے، اس کو جمع کرنے والے، اس کی حفاظت کرنے والے، اس کے لکھنے والے ﴿کلرک﴾ وغیرہ تمام اس میں شامل ہیں۔

3۔ **وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ.** تالیف قلوب کیلئے۔ اور ہم اس کا ذکر مال فئے میں کریں گے۔

4۔ **وَفِی الرِّقَابِ** ۔ اور گردنیں ﴿یعنی غلام﴾ آزاد کرانے کے لئے۔ مکاتب غلام آزاد کرانے،

قیدیوں کو چھڑانے اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کی جائے، یہ قوی ترین قول ہے۔

5۔ وَالْغَارِمِيْنَ. غارمین وہ لوگ ہیں جو قرضدار ہوں، اور کسی طرح وہ اس کو وفا ﴿ادا﴾ نہ کر سکتے ہوں۔ ان کو اتنا دیا جائے کہ ان کا قرض ادا ہو جائے۔ اگر چہ قرض بہت زیادہ کیوں نہ ہو ہاں اگر معصیت الٰہی کی وجہ سے قرض ہو گیا ہے تو جب تک وہ اس معصیت سے توبہ نہ کر لیں، نہ دیا جائے۔

6۔ وَفِیْ سَبِيْلِ اللهِ. اور جو اللہ کی راہ میں ہیں انہیں دی جائے۔ اس میں وہ لوگ ہیں جو غازی ہیں۔ جنہیں اللہ کے مال میں سے اتنا نہیں ملا، جو اُن کو کافی ہو سکے اور وہ جہاد کر سکیں۔ تو اُن کو دیا جائے تا کہ جہاد میں شرکت کر سکیں، یا پورا پورا جہاد و غزوہ کا سامان ﴿دیا جائے﴾ مثلاً گھوڑے ﴿اور آجکل گاڑی وغیرہ﴾، اسلحہ ﴿و بارود، دیگر ہتھیار۔ تا کہ وہ﴾ دوسرا خرچ اور اُجرت ادا کر سکیں، اور حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

7۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ. اور ابن سبیل وہ آدمی ہے جو شہر شہر پھرا کرتا ہے۔

8۔ شیخ صاحب! یہ تو سات قسمیں ہیں، آٹھویں قسم کونسی ہے؟ وضاحت فرما دیں۔ کیونکہ میں تو اہلِ علم میں سے نہیں ہوں۔

باب 8 (Chapter) کے مضامین

مالِ فئے کسے کہتے ہیں؟ عہدِ نبوی میں مال کا کوئی دیوان و دفتر نہیں تھا۔ نہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب فتوحات ہوئیں، اور بیشمار مال و دولت آنے لگی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان و دفتر بنانے کا حکم فرمایا۔ رشوت قطعاً حرام ہے جو اُمراء و حکام کو ہدیہ کے نام سے دیا جاتا ہے، رشوت ہے۔

مالِ فئے کی اصل سورۂ حشر کی یہ آیتیں ہیں: غزوہ بنی النضیر کے وقت جو غزوۂ بدر کے بعد ہوا ہے

یہ آیتیں نازل ہوئیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً م بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ o لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ اَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ o وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَۃً مِّمَّا اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ ط وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ o

(سورۃ حشر ع ۱)

اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو بغیر لڑے مفت میں ان سے دلوایا، تو مسلمانو! تم نے اس کیلئے کچھ دوڑ دھوپ تو نہیں کی، نہ گھوڑوں سے نہ اونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قابض کر دے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو مال اللہ اپنے رسولوں کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو وہ اللہ کا حق ہے، اور رسول کا، اور رسول کے قرابتداروں کا، اور یتیموں کا، اور محتاجوں کا، اور بے توشہ مسافروں کا، یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ مال اُنہی میں دائر ﴿ے میں﴾ نہ رہے، اور مسلمانو! جو

چیز پیغمبر تم کو ہاتھ اٹھا کر دے دیا کریں لے لیا کرو، اور جس چیز کے لینے سے تم کو منع کریں
اس سے باز رہو، اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو، کیونکہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے، وہ
مال جو بغیر لڑے مفت میں ہاتھ لگا، منجملہ اور حقداروں کے، محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے،
جو کافروں کے ظلم سے اپنے گھر اور مال سے بیدخل کر دیئے گئے، اور اب وہ اللہ کے فضل
اور خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے
ہیں، اور یہی تو سچے مسلمان ہیں، اور ہاں وہ مال جو بغیر لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے
کہ ان سے پہلے مدینہ میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جو اُن کی طرف ہجرت
کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور مال غنیمت میں سے مہاجرین کو جو کچھ
بھی دیا جائے اسکی وجہ سے یہ اپنے دل میں کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی
کیوں نہ ہو ﴿انہیں﴾ اپنے ﴿آپ﴾ سے مقدم رکھتے ہیں، اور بخل تو سب کی طبیعتوں
میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح
پائیں گے اور ہاں جو مال بغیر لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے جو مہاجرین اولین کے بعد
ہجرت کر کے آئے اور دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے
ان بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ان کو جو ایمان لا چکے
ہیں انکی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے اور ہمارے رب! تو
بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار اور ان لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو بعد میں ان
اوصاف سے متصف ہیں، پس تیسری قسم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اِن اوصاف سے متصف ہو۔ اور
یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے جس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہیں:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ ۝

(الانفال ع ۱۰)

اور جولوگ بعد میں ایمان لائے ،اورانہوں نے ہجرت کی ،اورتم مسلمانوں کے ساتھ ہوکر جہاد بھی کئےتو وہ تم ہی میں داخل ہیں:

اور جس طرح اللہ تعالیٰ کےاس فرمان میں داخل ہیں:

وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۞ (توبہ ع ۱۲)

اور وہ جواُن کے بعد خلوص دل سے ایمان ﴿واسلام﴾ میں داخل ہوئے۔

اور جس طرح اس اللہ تعالیٰ کےقول میں داخل ہیں:

وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۞ (جمعہ ع ۱)

اور دوسرے وہ لوگ جو ابھی تک اُن میں شامل نہیں ہوئے مگر آخرکار ان میں آملیں گے اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور ''اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ خَيۡلٍ وَّلَا رِكَابٍ'' کے معنی یہ ہیں کہ تم نے گھوڑوں اوراونٹوں کو حرکت نہیں دی، نہ جہاد کے لئے اُنہیں چلایا اور دوڑایا ہے۔اورفقہاء کرام نے اسی معنی کے لحاظ سے کہا ہے''مال فیئ وہ ہے جوکفار سے بغیر قتال وجنگ لیا گیا ہو'' اُوۡجَفۡتُمۡ کا مصدر ایجاف ہےاور ''ایجاف'' کے معنی قتال وجنگ ہے، اِيۡجَافُ الۡخَيۡلِ وَ الرِّكَابِ کے معنی ہی قتال وجنگ کے ہیں۔یعنی تم نے گھوڑوں اوراونٹوں کوحرکت نہیں دی نہ چلایا۔

اوراس قسم کے مال کو''فیئ'' اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے یہ مال و دولت بلاقتال وجنگ دلوایا ہے۔

پس اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال ودولت اسی لئے دی ہے کہ اس کی عبادت کے لئے معین و مددگار بنے ،اوراس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کواپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔پس جبکہ کفار اللہ کی عبادت نہیں کرتے نہ اپنے مال کواللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کرتے ہیں،تو یہ مال مسلمانوں کے

لئے حلال و جائز کر دیا تا کہ یہ اس مال سے قوت حاصل کریں۔ اور اللہ کی عبادت کریں۔ کیونکہ مسلمان بندے اللہ ہی کی عبادت کیا کرتے ہیں اور اس لئے ''مالِ فئے'' ان کو دیا گیا جس کے وہ حقدار اور مستحق تھے۔ اس طرح جس طرح کسی کے میراث و ترکہ غصب کر لیا جاتا ہے، اور پھر اُسے واپس دلوایا جاتا ہے۔ اگر چہ اس سے پیشتر وہ دوسروں کے قبضے میں تھا۔ اس کا قبضہ نہیں تھا، یا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ سے جزیہ لیا جاتا ہے، یا جس سے دشمن کے ساتھ صلح کی جاتی ہے، یا وہ مال جو سلطان کو غیر مسلموں سے ہدیہ میں ملتا ہے، یا جس طرح کہ نصاریٰ وغیرہ آبادیوں سے گزرتے وقت سواری کا انتظام کیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

غرض! یہ کہ مالِ فئے مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کر دیا۔ تا کہ مسلمان اس مال سے قوت حاصل کریں۔ اور اللہ کی عبادت کیا کریں۔

اور سوداگران اور تجار اہل حرب سے جو کچھ لیا جاتا ہے، وہ مال کا دسواں حصہ یعنی عشر ہے۔ اگر یہ سوداگر ذمّی ہیں اور اپنی آبادیوں سے نکل کر دوسروں کی آبادیوں میں تجارت کرتے ہیں تو ان سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جائے، خلیفۂ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اور وہ مال بھی اس میں داخل ہو گا جو عہد شکنی کرنے والوں سے لیا جاتا ہے۔ اور خراج کا مال بھی اس میں شامل ہو گا، جو کفار پر لاگو کیا گیا ہے، اگر چہ اس میں سے کچھ حصہ بعض مسلمانوں پر بھی لاگو ہو جائے گا۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے کافر کے پاس کوئی زمین تھی اور اب وہ مسلمان کے پاس آ گئی تو اصل چونکہ خراجی زمین ہے، مسلمان پر بھی وہی خراج ہو گا، جو اصل زمین پر مقرر کیا گیا تھا)۔

اور پھر یہ کہ مالِ فئے کے ساتھ ہمہ قسم کا مال جمع کر دیا جائے گا، اور جس قدر بھی سلطانی مال ہے وہ سب مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، مثلاً وہ مال جس کا کوئی مالک نہیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان فوت ہو گیا اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے، یا مالِ مغصوب، یا مال عاریت یا مال ودیعت کہ جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور یہ مال زمین ہے یا مال منقولہ، اور اس قسم کے دوسرے

مال، یہ سب کا سب مال مسلمانوں کا ہے۔اور بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید میں صرف مال فئے کا ذکر ہے، دوسرے مال کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں جس قدر اموات ہوئیں ان کے وارث موجود تھے۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نسب سب کو معلوم تھا۔

اور اگر کوئی فوت ہو جائے اور کوئی بھی وارث نہ ہو تو اُس کا ترکہ اُس آبادی میں رہنے والوں کو دے دیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا کہ میراث وترکہ کے لئے ادنیٰ سے ادنیٰ سبب کافی تھا جو میت میں اور اس میں پایا جائے۔

اور مسلمانوں سے باقاعدہ جو مال لیا جاتا تھا وہ ﴿صرف﴾ صدقہ زکوٰۃ تھا۔صدقہ زکوٰۃ کے سوا ان سے کچھ ﴿بھی ٹیکس وغیرہ﴾ نہیں لیا جاتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو یہ فرماتے: مسلمان فی سبیل اللہ مال وجان سے غزوہ وجہاد میں شرکت کریں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائیں۔

عہدِ نبوی اور عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں مال مقبوضہ جو تقسیم کیا جاتا تھا اس کا کوئی جامع دیوان و دفتر نہیں تھا بلکہ مناسب طریقہ سے مسلمانوں کو بانٹ دیا جاتا۔عہدِ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں مال اور ملک کی وسعت بہت زیادہ ہوگئی تو مقاتلین، مجاہدین اور اہل بخشش کے لئے دیوان و دفتر بنائے گئے، اور خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیوان و دفتر بنوائے، جن میں اکثر مجاہدین اور فوج کے نام درج تھے، یہ دیوان اور دفتر آج مسلمانوں کے لئے نہایت اہم اور شاندار ہیں۔

شہروں اور آبادیوں سے جو خراج اور فئے وغیرہ کا مال لیا جاتا تھا اس کے دیوان و دفتر علیحدہ تھے۔

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں اور اس سے پہلے جو مال آتا تھا، تین قسم کا تھا، جن میں ایک قسم کے مال پر امام و امیر ﴿یعنی حاکمِ وقت﴾ کا قبضہ ہوتا تھا، اور امام و امیر کو ہی اس کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔کتاب اللہ اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ ﴿اُمت﴾ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔اور ایک قسم کا مال وہ ہے جس کا لینا امام و امیر ﴿حاکمِ وقت﴾ کے لئے حرام تھا، جیسے جنایات اور گناہ کی وجہ سے کوئی آدمی قتل کر دیا گیا،

اس کا مال کسی اور آبادی سے بیت المال کے لئے مال وصول کیا جائے گو اس کے وارث موجود ہوں یا کوئی حد کا مستحق ہے۔ اور کسی وجہ سے مال لے کر حد ساقط کر دی گئی۔

اور ایک تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق اجتہاد کو دخل ہے، اور علماء کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے، مثلاً کوئی آدمی مر گیا اُس کا مال ہے، اس کے ذی رحم ﴿جیسے والدین، اولاد وغیرہ﴾ موجود ہیں لیکن ذوی الغروض ﴿﴾ میں کوئی نہیں ہے، نہ کوئی عصبہ ﴿ ﴾ موجود ہے، اور اس کے مثال اور واقعات، تو اس میں علماء کی راہ اور مسلک علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اکثر والیانِ ملک اور رعیت مظالم سے دوچار ہوتے ہیں۔ والی اور امیر حلال وحرام کا پاس نہ رکھتے ہوئے رعایا سے مال وصول کرتے ہیں۔ اور رعایا اپنے فرض سے غافل رہتے ہوئے مال کو روک لیتی ہے، مثلاً جند ﴿فوج﴾ ولشکر اور فلاعین زراعت پیشہ لوگوں میں ظلم ہوتا ہے یا مثلاً لوگ فرض جہاد کو ترک کر دیتے ہیں، اور والیانِ ملک بیت المال میں اللہ تعالیٰ کا مال جمع کرتے ہیں۔ لیکن حلال وحرام کا قطعاً پاس ولحاظ نہیں کرتے، اور مال نہ ادا کرنے پر عقوبت وسزا دی جاتی ہے ﴿جیسے آجکل ٹیکس وغیرہ وصول کرنے والے مسلمانوں پر ہی ظلم وجور کر رہے ہیں اور نہ دینے پر سزا دے رہے ہیں﴾، مباح یا واجب چیز کو چھوڑ کر ایسے کام کر گذرتے ہیں جو والیانِ ملک کے لئے کسی طرح جائز اور حلال نہیں ہیں۔

اور اصل یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس ایسا مال ہے جس کا ادا کرنا اس کے لئے فرض ہے، مثلاً اس کے پاس کسی کی ودیعت وامانت رکھی ہوئی ہے، یا کسی سے مضاربت یا شرکت ہے یا مؤکل کا مال ہے، یا کسی یتیم کا یا وقف مال ہے، یا بیت المال کا مال ہے، یا مثلاً قرض دار ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ قرض ادا کر سکتا ہے، جب ایسا آدمی واجب وحق کو روک لے اور ادا نہ کرے خواہ بعینہٖ ہو، یا قرض ہو اور امام جان لے کہ یہ آدمی قرض ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے، تو ایسے آدمی کو عقوبت اور سزا دی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اپنا مال بتا دے، یا مال کی جگہ بتلا دے کہ فلاں مقام پر مال ہے۔ جب یہ یقین و باور ہو جائے کہ اس کے پاس مال ضرور ہے، اس کو قید و بند میں رکھ دیا جائے، اور اس وقت تک قید میں

رکھا جائے کہ وہ مال ظاہر کرے، اور بتلا دے، مار مارنے کی ضرورت نہیں، اگر مال بتانے اور ادائے دَین ﴿یعنی قرض وغیرہ﴾ سے انکار کرے تو اُسے مارا پیٹا جائے یہاں تک کہ حقداروں کا حق ادا کرے، یا ادا کرنا ممکن ہو جائے۔ اور یہی حکم نفقہ واجبہ کا ہے، جبکہ وہ نفقہ دینے پر قدرت رکھتا ہو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے **عروہ بن شرید عن ابیه** سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

اَلْوَاجِدُ یَحِلُّ عِرْضُهٗ وَ عَقُوْبَتُهٗ. (رواه اهل السنن)

جو ﴿مال﴾ پائے اور نہ دے اسکا مال عزت آبرو اور اس کو عقوبت وسزا دینا حلال ہے۔
پانے والے کا مال لے لینا، اس کو عقوبت وسزا دینا حلال اور جائز ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ. (رواه الصحیحین)

مالدار نادہند ظالم ہے۔

اور حقدار کے حق کی ادائیگی میں دیر کرنا سراسر نادہندگی اور ظلم ہے۔ اور ظالم عقوبت وسزا کا مستحق ہے۔ اور یہ متفق علیہ اصول وکلیہ ہے کہ حرام کا مرتکب اور واجب کا ترک کرنے والا مستحق عقوبت وسزا ہے، پس اگر شریعت میں اس کی سزا مقرر نہیں ہے تو ولی الامر ﴿حاکمِ وقت، قاضی یا جج﴾ اجتہاد سے کام لے اور اسے تعزیر کرے، اور نادہند مالدار کو سزا دے، اگر وہ ﴿پھر بھی مال﴾ نہ دینے پر مصر ہے تو مار ماری جائے یہاں تک کہ وہ واجب ادا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس پر فقہاء کی صریح نص وتصریح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں اور امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ نے اس کی پوری تصریح کردی ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، سب کے سب اس پر متفق ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے سونا چاندی اور اسلحہ وہتھیار کے عوض صلح کی اور یہودیوں نے اس کا وعدہ کیا، تو بعض یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، اور پوچھنے والا سعید جو

حي بن اخطب کا چچا تھا، اس نے حي بن اخطب کے خزانے کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَذْهَبَتْهُ النَّفَقَاتُ وَالْحُرُوْبُ.

مال خرچ ہوگیا اور لڑائیاں لے گئیں۔

اس نے کہا آپ سے ابھی تو معاہدہ ہوا اور معاہدہ کی رو سے یہ مال بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سعید کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے اس کو سزا دی، راوی کہتا ہے کہ میں نے حي بن اخطب کو فلاں خرابے میں گھومتے دیکھا ہے، لوگ وہاں پہنچے، اور خرابے کو گھوم پھر کر دیکھا، ٹٹولا تو بہت سا مشک اس خرابے سے نکلا۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی ذمی تھا، اور ذمی کو بغیر گناہ اور حق کے عقوبت وسزا نہیں دی جاتی۔ اور یہ حکم ہر واجب اور ضروری چیز کو چھپانے والے کا ہے، جبکہ وہ واجب وضروری چیز کے بتلانے میں کوتاہی کرے، ترکِ واجب کی بنا پر اُسے سزا دی جائے گی۔

وہ مال جو والیان اموال ﴿کسٹم وانکم ٹیکس افسر، لے﴾ لے، مسلمانوں کا مال بغیر حق، بلا استحقاق لے لیا ہو۔ ولی الامر عادل ﴿حکمران﴾ کا فرض ہے کہ اس مال کو اُن سے وصول کرے، مثلاً وہ ہدایا اور تحفے جو اُنہوں نے اپنے عمل اور عہدے کے ذریعہ حاصل کئے ہیں، چنانچہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

هَدَايَا الْعُمَّالِ غَلُوْلٌ.

عمال کے ہدایہ غلول وغبن ہیں۔

اور ابراہیم حربی رحمہ اللہ اپنی کتاب الہدایا میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ هَدَايَا الْاُمَرَاءِ غَلُوْلٌ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اُمراء ﴿حکام اور اہل اختیار﴾ کے ہدایا اور تحفے غلول وغبن ہیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ءازد

کے ایک آدمی کو جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، صدقہ زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل ﴿تحصیلدار﴾ مقرر کیا، اس نے آکر مال پیش کیا اور کہنے لگا: یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیئے میں ملا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا بَالُ الرَّجُلِ نَسْتَعْمِلُهُ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانَا اللهُ فَيَقُولُ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ إِلَيَّ فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدَى إِلَيْهِ أَمْ لَا. وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَةَ إِبْطَيْهِ. اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا.

اس شخص کا کیا حال ہے جس کو ہم عمل اور کام سپرد کرتے ہیں اور وہ آکر کہتا ہے، یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیئے میں ملا ہے، کیوں وہ باپ یا ماں کے گھر میں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ یہ تحفے اور ہدایا اسے ملتے ہیں؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چیز بھی وہ لے گا قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی، اگر اونٹ ہے تو وہ چلّا رہا ہوگا، اگر گائے ہے تو وہ بلبلاتی چیختی ہوگی، اور بکری ہے تو وہ میں میں کرتی ہوگی، اسکے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغل ہم نے دیکھی اور فرمایا: اے اللہ میں نے پہنچا دیا، اے اللہ میں نے پہنچا دیا۔ تین دفعہ آپ نے یہ فرمایا۔

اور یہی حکم ان والیان امر ﴿با اختیار افسران واعلیٰ سول وفوجی حکام﴾ کا ہے جو معاملات میں ہدایا اور تحفے لے کر کسی کی امداد واعانت کریں مثلاً ﴿ٹھیکہ جات﴾ بیع وشراء ﴿خرید وفروخت﴾، مواجرۃ ﴿سرکاری ملازمتیں اور نوکری﴾، مضاربت ﴿پارٹنرشپ﴾، مساقات ﴿نہروں و دریاؤں وغیرہ کا پانی کسانوں کو کھیتوں کے لئے دینا یا دلانا کہ کسی کی باری پہلے کر دی کسی کی بعد میں یا کسی کو پانی کم دیا اور کسی کو زیادہ﴾، مزارعۃ ﴿زمین کی ٹھیکہ داری، بیج وکھاد کی فراہمی﴾ وغیرہ۔ اس قسم کے معاملات میں

کسی قسم کا بھی ہدیہ اور تحفہ لے کر کام کریں، تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور اسی بنا پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بعض عمال ﴿ گورنر، افسران اور حکام ﴾ سے کہ جن کے پاس مال بھی تھا، اور قرض بھی تھا، اور خیانت سے بھی وہ متہم نہیں تھے، آدھا آدھا کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمال کے ساتھ ایسا سلوک اس لئے کیا کہ اُنہوں نے ولایت امر ﴿ بااختیار اور مجاز افسر و گورنر، ڈائریکٹر وغیرہ ہونے ﴾ کی حیثیت سے ہدایا اور تحفے لئے تھے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو والی و عامل مقرر کیا تھا، اور یہ امر اس کا مقتضی بھی تھا۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امام عادل تھے، اور مال کی صحیح تقسیم انہی کا کام تھا۔

جب امام اور رعایا دونوں میں تغیر آ جائے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق اپنے فرض کو انجام دے، حرام کو چھوڑ دے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مباح کی ہے اُسے حرام نہ کرے۔

کبھی لوگ والیان ملک ﴿ سول و فوجی حکام ﴾ سے اس لئے ابتلاء و مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں کہ یہ ہدایا اور تحفے نہیں دیتے کہ ہدایا اور تحفے دے کر ان کے مظالم سے چھوٹیں۔ اور جو فرض والی امر ﴿ گورنر و افسر ﴾ کا ہے، وہ چھوڑ دیتا ہے، پھر بھی کف ظلم کے عوض ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا ان کے نزدیک محبوب ہے۔ اور باوجود اس کے کف وظلم کے عوض وہ مال لیتا ہے۔ اور اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے لئے بیچتا ہے۔ اس کا تو فرض یہ تھا کہ حسبِ قدرت و طاقت ظلم کو روکتا، اور لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری کرتا۔ ان کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھتا، سلطان ﴿ یعنی حاکمِ وقت ﴾ تک ان کی حاجتیں اور ضرورتیں پہنچاتا، اور سلطان کو ان اُمور سے آگاہ و باخبر کر دیتا۔ ان کے مصالح سے بھی آگاہ کر دیتا، اور ان کو مفاسد سے بچاتا، اور اس بارے میں مختلف طریقے لطیف غیر لطیف اختیار کرتا، جس طرح کہ کاتب، منشی وغیرہ اپنی اغراض کے لئے کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَبلِغُوْنِی حاجَةَ مَنْ لا یَسْتَطِیْعُ اِبْلاغَھا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبلَغَ ذَا السُّلْطَانِ حاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَھَا. ثَبَّتَ اللّٰہُ قَدَمَیْهِ عَلَی الصِّراطِ یَوْمَ تُزِلُّ الْاَقْدَامُ.

ان لوگوں کو جو اپنی حاجتیں اور ضرورتیں مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، مجھ تک پہنچا دو کیونکہ جو شخص صاحب سلطنت تک ایسے لوگوں کی حاجتیں پہنچائیں جو خود نہیں پہنچا سکے تو اللہ تعالیٰ پل صراط پر اُسے ثابت قدم رکھے گا کہ جس دن بڑوں بڑوں کے قدم لڑکھڑا جائیں گے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے، اور سنن ابی داؤد میں ابی امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاهْدٰى لَهٗ عَلَيْهَا هَدْيَةً فَيُقْبَلُهَا فَقَدْ اَتٰى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا

جس نے اپنے کسی بھائی کی سفارش کی، اور اس کے بدلہ اس نے ہدیہ/تحفہ بھیجا، اور اس نے اسے قبول کرلیا، تو وہ سود کے بڑے دروازے میں داخل ہوگا۔

اور ابراہیم حربی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کسی آدمی نے کسی سے اپنی حاجت پوری کرنے کو کہا، اور اس نے اس کی حاجت پوری کردی، اور دوسرے نے ہدیہ بھیجا اور اس نے قبول کرلیا تو یہ حرام ہے۔

جناب مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے ابن زیاد سے کسی مظلمہ کے متعلق بات چیت کی، اور انہوں نے ظلم کو دفع کردیا۔ اس نے تحفہ میں ایک غلام دیا۔ انہوں نے اُسے مسترد کر دیا اور کہا میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جس مسلمان کا ظلم دور کیا، اور اس نے اس کے مقابلہ میں تھوڑا یا بہت کچھ دیا تو یہ حرام ہے، تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہم تو سخت رشوت کے سوا کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ''رشوت تو کفر ہے''۔

پس اگر والی، امیر، اپنے لئے ایسی چیز عمال سے نکلواتا ہے جو انہوں نے اپنے لئے اور اپنی اور اپنی اولاد کے لئے مخصوص کر رکھی ہے، تو اس صورت میں دونوں میں سے کسی کی اعانت نہیں کرنی چاہیئے، دونوں کے دونوں ظالم ہیں، جس طرح کہ ایک چور دوسرے چور کا مال چرا لیتا ہے، یا دو گروہ

عصبیت اور ریاست کے لئے لڑتے ہیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ آدمی ظلم کی اعانت و امداد کرے، کیونکہ تعاون و امداد دو طرح کی ہے، ایک نیکی اور تقویٰ کا تعاون و امداد مثلاً جہاد کرنا، حدود قائم کرنا، حقوق العباد دلوانا، مستحق اور حقداروں کے حقوق دلوانا وغیرہ، ایسی اعانت و امداد ایسا تعاون تو مامور من اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسا تعاون فرض قرار دیا ہے، اور اگر ڈر کے مارے نیکی اور نیک کام سے رک جائے، اور ظالم سے ڈر جائے مظلوم کی اعانت و امداد نہ کرے تو یہ بھی فرض عین یا فرضِ کفایہ کا تارک ہے، اور تارکِ فرض کا مجرم ہے، اگر چہ اپنی خوش فہمی سے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں ورع ﴿یعنی انتہائی زیادہ عبادت﴾ وتقویٰ کا پابند ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ اکثر جبن ﴿یعنی کم ہمتی و﴾ بزدلی، اور ورع وتقویٰ میں اشتباہ ﴿یعنی شبہ﴾ ہو جاتا ہے، اور جبن و بزدلی اور ورع دونوں میں انسان حق کی اعانت سے رُک جاتا ہے۔

دوسرا تعاون ''اثم و عدوان'' کا تعاون ہے مثلاً معصوم بے گناہ کا خون کیا جائے، یا اس کا مال لے لیا جائے۔ اور جو مار کا حقدار نہیں اسے مارا پیٹا جائے، یہ اور اس قسم کے گناہوں میں اعانت و امداد کرنا ''اثم و عدوان'' کی اعانت و امداد ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسی اعانت و امداد کو حرام قرار دیا ہے۔

البتہ جب کسی کا مال بلا استحقاق لے لیا گیا یا چھین لیا گیا، اور مال کے مالکوں تک اس کا پہنچانا کسی وجہ سے دشوار ہے مثلاً سلطانی مال کہ ایسا مال مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرنا چاہئے جیسے جہاد، اور لڑائی کے مورچے وغیرہ قائم کرنے پر خرچ کیا جائے، یا مجاہدین اور جنگ کرنے والوں پر خرچ کیا جائے تو یہ نیکی وتقویٰ کی اعانت و امداد ہوگی، کیونکہ سلطان ﴿حاکم وقت﴾ پر واجب و لازم ہے کہ اس قسم کا مال جبکہ اصل مالکوں کی وجہ سے نہ پہنچا سکے، اور نہ دے سکے، اور اس کے وارثوں کو نہ دے سکے تو سلطان کا فرض ہے کہ اگر اسی نے ظلم کیا ہے تو پہلے توبہ کرے، اور پھر مال کو مسلمانوں کی مصلحتوں پر مسلمانوں کے کاموں میں خرچ کرے، اور یہ جمہور علماء کا قول ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد

بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں، اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا منقول ہے، اور شرعی دلائل بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ منصوص ہے۔

اگر وہ مال دوسروں نے لے لیا ہے تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ اس مال کو اسی طرح خرچ کرے، اگر وہ مال جو سلطان نے کسی وجہ سے اصل مالک کو نہ دیا ہو تو مالک مال کی مصلحتوں پر خرچ کرنے میں اعانت کرے، کیونکہ مال ضائع کرنے کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، اس لئے کہ شریعت کا دارومدار اللہ کے اس قول پر ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (تغابن ع ۲)

مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

جو۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (آل عمران ع ۱۱)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

کی تفسیر کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر دارومدار ہے۔

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخرجاہ فی الصحیحن)

جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق اُسے انجام دو۔

اور اس قول پر دارومدار ہے، ''مصالح کی تحصیل وتکمیل کرنا''۔ اور مفاسد کو کلیۃً دور کرنا یا کم کرنا واجب وضروری ہے۔

جب مصالح اور مفاسد میں باہم ٹکر ہو تو دو مصلحتوں میں سے جو بڑی ہو اختیار کی جائے۔ اور ادنیٰ کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جو بڑا مفسد ﴿فسادِ اکبر﴾ ہو اسے دُور کیا جائے، ادنیٰ مفسدہ ﴿چھوٹا فساد﴾ کے احتمال کے مقابلہ میں، یہی مشروع ﴿عمل﴾ ہے [۱]۔

اور اثم عدوان کی اعانت کرنے والا وہ ہے جو ظالم کی اعانت کرے، لیکن وہ شخص جو مظلوم کی

---

[۱] اصلاح کے لئے پہلے اصول اصلاح کی اعانت فرض ہے، جب کوئی شخص کسی غیر مشروع منکر کی اصلاح کا قصد

کرے تو پہلے اسے سوچ لینا چاہئے کہ غیر مشروع منکر کس درجہ کا ہے، اگر اس کی اصلاح کی گئی تو کیا اس کی بجائے کوئی دوسرا غیر مشروع منکر تو نہیں پیدا ہوتا، جو اس سے بڑھ کر ہو۔ اگر اس سے بڑھ کر نہیں تو پھر اس کے مساوی اور باعتبار ثمرات و مفاسد اس سے بڑھ کر تو نہیں ہے، ان ہر دو صورتوں میں اصلاح کا قصد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایک مفسدہ کی جگہ اس سے بڑھ کر مفسدہ پیدا ہو رہا ہے، جیسے کہ نبی کریم کعبۃ اللہ کی اصلاح کا ارادہ رکھتے تھے، حطیم کے حصہ کو کعبۃ اللہ میں داخل کر کے پورا کر لینا چاہتے تھے، اور دو دروازے بنانا چاہتے تھے ،ایک سے کعبۃ اللہ میں داخل ہوں دوسرے نکل جائیں لیکن اس اصلاح سے مفاسد پیدا ہونیکا اندیشہ تھا۔ تو مسلم لوگ طرح طرح کے خیالات دوڑانے لگتے اور بری طرح کی خرابیاں پیدا ہونیکا اندیشہ تھا، اس لئے آپ نے اصلاح کا خیال ترک فرمادیا۔

اگر اصلاح کی یہ صورت ہے کہ اس کی اصلاح سے دوسرا منکر اس کے مساوی پیدا ہوتا ہے، لیکن باعتبار مفاسد اس سے کم درجہ رکھتا ہے، یا اس کی جگہ کم درجہ کا مفسدہ پیدا ہوتا ہے یا جو مفاسد پیدا ہوئے ہیں کم درجہ کے ہوتے ہیں۔ یا امر مستحسن پیدا ہوتا ہے، ان تین صورتوں میں اسلاح کے لئے اقدام فرض ہے اور اقدام میں کوتاہی کرنا گناہ ہے۔ (ابوالعلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

اعانت ﴿ومدد﴾ کرتا ہے یا جو ظلم ہو رہا ہے اس میں کمی ہو اس کی اعانت کر رہا ہے، یا جو ظلم ہوا ہے اس کا بدلہ دلوانے کی کوشش کر رہا ہے تو یہ مظلوم کا وکیل ہوگا نہ کہ ظالم کا۔ اور یہ بمنزلہ اس شخص کے ہوگا جس نے قرض دیا۔ یا ظالم کے ظلم سے بچانے کے لئے کسی کے مال کا وکیل ہوا۔ مثلاً یتیم کا مال، یا وقف کا مال ہے، اور یتیم اور وقف کے مال میں سے کسی ظالم نے خواہ مخواہ طلب کیا، اور اس کے ولی نے بدرجۂ مجبوری کم سے کم دینے کی کوشش کی، ظالم کو دیا، یا ظالم نے دلوایا، اور ولی نے پوری پوری کوشش کر کے کم سے کم دیا تو یہ محسن ہوگا۔ وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ.

اور اس حکم میں وہ وکیل بھی داخل ہیں جو مال ادا کرانے میں شہادت دیتے ہیں۔ اور اس کے لکھنے میں شریک ہیں۔ اور جو عقد میں قبضہ کرنے میں اور مال دلوانے میں شریک ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

اس ظلم کے متعلق جو کسی آبادی، قریہ، یا راستہ، یا بازار، یا کسی شہر پر کیا جائے اور کوئی محسن شخص اس ظلم کو دفع کرنے میں درمیانگی کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے، اور ہر امکانی کوشش عدل وانصاف کے

ساتھ برتنے، اور بقدر طاقت بلا خوف، بلا لومتہ لائم ﴿طعن وتشنیع اور لعن طعن﴾، بغیر رشوت لئے مال دلوانے اور دینے میں کوشش کرے تو وہ بھی محسن ہوگا۔

لیکن آج کل غالب یہ ہے کہ جو شخص بھی مداخلت کرتا ہے ظالم لوگوں ہی کی وکالت کرتا ہے، ان سے ڈرتا ہے اور جو رشوت ملتی ہے، اس پر فخر کرتا ہے، اور جن سے جو چاہتا ہے لیتا ہے، اور یہ اکثر و بیشتر ظالم ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے، ان کے اعوان و مددگار بھی جہنمی ہیں، یقیناً ایسے لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

باب 9 (Chapter) کے مضامین

مال کی تقسیم اہم فالاہم کے اصول کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اہلِ نصرت و جہاد سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ مال فئے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ تمام مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے یا خاص مجاہدین کے لئے ہے۔ نبی کریم ﷺ مؤلفتہ القلوب کو بھی فئے سے دیا کرتے تھے "اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا" کی صحیح راہ۔

مال کے مصارف اور اس کی تقسیم مسلمانوں کے مصالح میں ہونی چاہیئے۔ اور اہم فالاہم کے اصول کو مدنظر رکھنا واجب اور ضروری ہے، مثلاً عام مسلمانوں کو عمومی نفع اور فائدہ پہنچے، انہی لوگوں میں اربابِ نصرت و جہاد بھی ہیں، اور مال فئے میں سب سے زیادہ مستحق مجاہدین اسلام ہیں، کیونکہ مجاہدین کے بغیر مال فئے کا حاصل ہونا ناممکن ہے، انہی مجاہدین کے ذریعہ ہی یہ مال وصول ہوتا ہے، اور اسی لئے فقہاء اسلام نے اختلاف کیا ہے کہ مال فئے انہی مجاہدین پر صرف کیا جائے یا یہ کہ ہر قسم کے مصالح ﴿اصلاحی کام﴾ میں صرف کیا جائے؟ مال فئے کے علاوہ جس قدر بھی مال ہے اس میں تمام مسلمان، اور مسلمانوں کے تمام مصالح شامل ہیں، اور اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ صدقات، زکوٰۃ، اور

مالِ غنیمت کو مخصوص کر دیا ہے، اور مستحقین وحقدار یہ لوگ ہیں۔

عاملین ﴿اکٹھا کرنے والے﴾، صاحب ولایت ﴿حکام﴾ وغیرہ، مثلاً والیان امر ﴿گورنر و مجاز افسر﴾۔ قضاۃ / جج، علماء اور وہ لوگ جو مال جمع کرنے، اس کی حفاظت اور تقسیم وغیرہ جن کے سپرد ہے، یہاں تک کہ نماز کے امام اور مسجدوں کے مؤذن وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں، اسی طرح وہ اُجرت بھی اس میں داخل ہے جس سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً سرحدوں پر مورچے باندھنا، اسلحہ وغیرہ کے لئے خرچ کرنا۔ اور وہ عمارتیں بنوانا جن کی تعمیر ضروری ہے، لوگوں کے لئے راستے درست و ہموار کرنا، چھوٹے بڑے پل تعمیر کرنا، پانی کے راستے ہموار کرنا، نہریں وغیرہ بنوانا، یہ تمام چیزیں مال کے مصارف میں شامل ہیں۔ صاحب ضرورت اور مستحق لوگ بھی اس میں شامل ہیں۔

فقہاء نے اختلاف کیا ہے، صدقہ زکوۃ کے علاوہ مال فئے وغیرہ میں ضرورت مند لوگوں کو مقدم رکھا جائے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب میں دو قول ہیں، کچھ لوگ ان کو مقدم رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں نہیں بلکہ اسلام ﴿کے کاموں﴾ کا استحقاق رہے گا۔ یہ لوگ سب کو مشترک اور برابر کے حقدار مانتے ہیں، جس طرح کہ وارث میراث و ترکہ میں مشترک ہیں۔

لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ ضرورت مندوں کو مقدم رکھا جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ حاجتمندوں کو مقدم رکھتے تھے، مثلاً بنی نضیر کے مال میں حاجتمندوں اور ضرورت مندوں کو آپ ﷺ نے مقدم رکھا تھا، چنانچہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَیْسَ اَحَدٌ اَحَقُّ بِھٰذَا الْمَالِ مِنْ اَحَدٍ اِنَّمَا ھُوَ الرَّجُلُ وَسَابِقَةٌ وَالرَّجُلُ وَ عِنَایَتُهٗ وَالرَّجُلُ وَبَلائُهٗ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهٗ.

یہ مال سب میں مشترک ہے یہ مال اس آدمی کو ملے گا جس نے جہاد میں سبقت کی اس کو ملے گا جس نے مشقت برداشت کی، اس آدمی کا حق ہے جو ابتلاء میں پھنس گیا، اور وہ حقدار ہے جو ضرورت مند ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مال چار قسم کے لوگوں پر تقسیم فرمایا:

1۔ سوابق پر جن کی مسابقت کی وجہ سے مال وصول ہوا ہے۔

2۔ ان لوگوں پر جو مسلمانوں کے لئے خاص قسم کی سعی و کوشش کرتے ہیں، مثلاً والیان امر ﴿حکام﴾، اور وہ علماء جو لوگوں کو دین و دنیا کے منافع حاصل کرنے کے راستے بتلاتے ہیں اور جو نقصان اور ضرر کی مدافعت کے لئے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ مثلاً مجاہدین فی سبیل اللہ جو اسلام کے لشکر میں موجود ہیں۔

3۔ اور وہ خاص خاص لوگ جو جہاد و قتال کے طریقے بتلاتے ہیں اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہیں، اور ان کے مثل۔

4۔ وہ لوگ جو حاجت منداور ضرورت مند ہیں۔

جس وقت ان چار قسم کے لوگوں کی جانب سے اطمینان ہو جائے گا تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے اس مال سے لوگوں کو غنی کر دیا، اس کے بعد کفایت کے مطابق دیا جائے، یا اس کے عمل کے مطابق۔

جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ مال باعتبار آدمی کی منفعت اور بلحاظ اس کی ضرورت و حاجت کے دیا جائے گا اور یہ مال وہ ہو گا جو مسلمانوں کے لئے ہے۔ صدقہ و زکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے، اور اگر اس سے زیادہ مال ہے، اس میں بھی اسی قدر استحقاق ہے جس قدر اس جیسے مال میں حقداروں کا حق ہے مثلاً مالِ غنیمت، اور مالِ میراث، ان کے حقدار بھی متعین و مقرر ہیں۔

امام المسلمین ﴿حاکمِ وقت﴾ کو کسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کی خاطر یا قرابت کی وجہ سے یا دوستی اور محبت کی وجہ سے غیر مستحق و غیر حقدار کو کچھ دیدے، چہ جائیکہ حرام میں خرچ کرے مثلاً مخنث/ خسروں لڑکوں اور امرد آزاد غلاموں کو دیا جائے، طوائف بازاری عورتوں، ادارکار، اداکاراؤں، گلوکاروں، سنگرز، مسخروں کو دیا جائے، یا ہاتھ دیکھنے والوں، کاہنوں، نجومیوں وغیرہ کو دیا جائے، ہاں تألیف قلوب کے لئے ایسا شخص ہے کہ اس کے لئے یہ مال لینا حرام و ناجائز ہے، قرآن مجید میں مؤلفۃ

القلوب کے لئے صدقہ وزکوٰۃ دینا بھی مباح کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی مؤلفتہ القلوب کو فئے کے مال میں سے دیا کرتے تھے اوران لوگوں کو بھی دیا جائے جو اپنے قبیلہ کے مانے ہوئے سردار ہوں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اقرع بن حابس سردار بنی تمیم، اور عیینہ بن حصن سردار بنی فزارہ، اور زید الخیر الطائی سردار بنی نبہان، اور علقمہ بن علاشہ سردار بنی کلاب کو دیا تھا، اور جیسا کہ سرداران قریش اور خلفاء وغیرہ کو دیا تھا۔ مثلاً صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب، سہیل بن عمرو، خرث بن ہشام رضی اللہ عنہم اور بہت سے لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے دیا تھا، چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے ایک سونے کا ہار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، نبی کریم ﷺ نے اس ہار کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ اقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن حصن فزاری، علقمہ بن علاشۃ العامری، اور بنی کلاب کے آدمی زید الخیر الطائی جو بنی نبہان کا سردار تھا۔ وہ کہتے ہیں اس تقسیم سے قریش اور انصار بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے، آپ ﷺ صنا دید نجد کو دیتے ہیں، اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے جواب دیا یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ ان کی تألیف قلوب منظور ہے، اس وقت ایک آدمی آیا جس کی داڑھی بہت گھنی تھی، رخسارے اٹھے ہوئے، آنکھیں چمکدار، پیشانی بڑی، اور سر منڈا ہوا تھا، کہنے لگا:

اِتَّقِ اللّٰہَ یَا مُحَمَّدُ .

اے محمد اللہ سے ڈرو!

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ اِنْ عَصَیْتُہٗ أَیَا مَنِنِیْ اَھْلُ الْاَرْضِ وَلَا تَأْمَنُوْنِیْ.

اگر میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر کون اس کی اطاعت کرتا ہے؟ کیا سارے اہل زمین مجھے امین سمجھیں اور تم مجھے امین نہ سمجھو۔

راوی کہتا ہے یہ آدمی اتنا کہہ کر چلتا ہو گیا، اس وقت قوم میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا کہ اسے قتل

کردے، صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں یہ آدمی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، غیرتِ اسلامی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اٹھے اور نبی کریم ﷺ سے اُسے قتل کرنے کی اجازت مانگی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنَّ مَنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمًا يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ اَنْ لَا يُجَاوِزُ حُنَاجِرَهُمْ فَيَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَ يَدْعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ. يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمُرُّ السَّهْمُ مِنْ رَمْيِهِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ.

اس کی نسل میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے، اسلام سے وہ اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل بھاگتا ہے۔ اگر میں انہیں پاؤں گا تو انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد قتل ہوئی تھی۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہم کو سو سو اونٹ دیئے، اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو کچھ کم دیئے تھے، عباس بن مرداس نے یہ اشعار پڑھے:

اَتَجْعَلُ نَهْبِيْ وَنَهْبَ الْعُبَيْدِ بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَ وَالْاَقْرَعِ

کیا آپ میری اور میرے گھوڑے عبید کی لوٹ عیینہ اور اقرع کو دیتے ہیں؟

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ يَفُوْقَانِ مَرْدَاسَ فِي الْمَجْمَعِ

حصن اور حابس اجتماع میں مرداس سے فوقیت نہیں لے جاتے تھے

وَمَا كُنْتُ دُوْنَ امْرَءٍ مِنْهُمَا وَمَنْ يَخْفِضُ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ

ان دونوں میں میں کسی سے کم تھا؟ وہ پلّہ جو اٹھایا نہیں جاتا کس نے جھکا دیا؟

یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے اُسے بھی سو اونٹ دے دیئے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے اور عبید، مرداس کے گھوڑے کا نام تھا۔

اور مؤلفۃ القلوب دو قسم کے ہیں، کافر اور مسلمان۔ کافر کی تأ لیف یہ ہے کہ اس سے فائدہ کی اُمیدیں وابستہ کی جائیں، کہ یہ اسلام لے آئیں گے، یا جو نقصان ان سے پہنچتا ہے وہ کم ہو جائے گا کہ دیئے بغیر یہ نقصان دُور نہیں ہوتا۔

اور مسلمان مؤلفۃ القلوب وہ ہیں جنہیں دینے سے فائدہ کی اُمیدیں وابستہ ہوں۔ مثلاً وہ مسلمان ہیں مال دیا جائے گا، پختہ اسلام سچے مسلمان بن جائیں گے، یا ان جیسے لوگ اسلام میں پختہ اور اچھے بن جائیں گے، یا دشمنوں کو ڈرا کر ان سے مال نکلوائیں گے۔ یا جن مسلمانوں کو نقصان اور ضرر پہنچ رہا ہے اس سے بچالیں گے، کہ دیئے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔

اس قسم کے عطیات گو بظاہر رئیسوں اور مالداروں کو دیئے جاتے ہیں، اور ضعیف اور کمزور چھوڑ دیئے جاتے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کا دستور ہے، لیکن نیتیں مختلف ہوتی ہیں کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر دینے سے دینی مصلحت، اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود مقصود ہے تو یہ دینا اسی قبیل سے ہوگا جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء دیا کرتے تھے، اور اگر اس دینے سے مقصود **علو فی الارض** کبر وغرور اور فساد مقصود ہے تو یہ دینا اُسی قبیل سے ہوگا جیسا کہ فرعون اپنے لگے بندھے لوگوں کو دیا کرتا تھا۔

ان عطیات کو وہی لوگ بُرا سمجھتے ہیں جو فاسد دین رکھتے ہیں۔ اور بدنیت ہوتے ہیں جیسے ذی الخویصرہ کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے عطیے کو بُرا سمجھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس کے حق میں جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا، اور بدعا کی۔ اور جیسے کہ اس کے گروہ خوارج نے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم بنا کر فیصلہ کیا۔ کسی مصلحت کی بنا پر کیا تھا، لیکن خوارج کھڑے ہو گئے، بگڑ گئے اور بغاوت شروع کر دی، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام تک اس تحکیم و فیصلہ

سے مٹا دیا۔ مسلمانوں کی عورتوں، بچوں کو اسیر بنا کر لے گئے۔ یہی لوگ تھے جن کے خلاف جہاد و جنگ، قتال اور لڑائی کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کیونکہ اُن کے پاس فاسد اور باطل دین تھا، جس سے نہ ان کی دنیا درست ہوتی تھی نہ آخرت۔

بسا اوقات ورع ﴿انتہائی زیادہ عبادت﴾ اور جُبن و بُزدلی اور بخل میں اشتباہ ﴿شبہ﴾ ہو جاتا ہے، کیونکہ ترکِ عمل دونوں میں پایا جاتا ہے۔ خشیتِ الٰہی سے فساد کو ترک کرنے اور بوجہ جبن و بزدلی اور بخل کے جہادِ مامور میں خرچ نہ کرنے میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

شَرُّ مَا فِی الْمَرْءِ شُحٌّ هَا لِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ. (قال الترمذی حدیث صحیح)

آدمی میں بُری سے بُری بدی بخل اور حرص اور جبن (کم ہمتی) و بزدلی ہے۔

اسی طرح بسا اوقات انسان عمل ترک کر دیتا ہے، اور گمان کرتا ہے، یا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ورع و تقوٰی ہے حالانکہ یہ کبر و غرور اور اپنے آپ کو بلند درجہ پر لے جانے کا قصد ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے ایک ایسا جامع کامل، مکمل جملہ فرمایا ہے جو ترازو کا حکم رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ.

اعمال نیتوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔

عمل کے لئے نیت ایسی چیز ہے جیسی جسم کے لئے روح، اگر ایسا نہیں ہے تو ایک شخص اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے، دوسرا شخص سورج اور چاند کے سامنے سجدہ کرتا ہے، کیا فرق ہے؟ دونوں اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں، دونوں کی صورت اور وضع ایک ہی ہے، غور کرو کہ اللہ کے سامنے پیشانی ٹیکنے والا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اقرب الخلق ہے، اور سورج و چاند کے سامنے ٹیکنے والا اللہ سے بعید سے بعید ہے، یہ نیت ہی کا فرق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ○ (سورۂ بلد: ع: ۱)

اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور نیز ایک دوسرے کو رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔

اور اثر میں ہے:

اَفْضَلُ الْاِیْمَانِ السَّمَاحَةُ وَالصَّبْرُ.

بہترین ایمان سماحت اور صبر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کی نگرانی، رعایا پروری، ان کی سیاست بغیر جود وسخاوت کے جسے عطیات کہتے ہیں اور بلا تجد و شجاعت، بہادری و دلیری کے ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ دین و دنیا کی اصلاح، فلاح و بہبود ان دو چیزوں کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، پس جو شخص ان دو چیزوں میں قائم اور مستقیم نہیں ہے اس سے امر وحکومت اور ولایت چھین لینی چاہیئے اور دوسرے کو دے دینی چاہیئے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ط اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ o اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ط وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْئًا وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (توبہ: ع: ٦)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے نکلو تو تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو، کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر قناعت

کر بیٹھے ہو، اگر یہ بات ہے تو یہ تمہاری سخت غلط فہمی ہے کیونکہ آخرت کے فائدوں کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے محض بے حقیقت ہیں۔ اگر تم بلائے جانے پر بھی اللہ کی راہ میں لڑنے کیلئے نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑا دردناک عذاب دے گا، اور تمہارے بدلے دوسرے لوگوں کو لاموجود کرے گا، اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قَا تَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ۱ . (حدید ع ۱)

تم مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کئے اور دشمنوں سے لڑے وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے یہ لوگ درجے میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کئے ہیں اور حسن سلوک کا وعدہ تو اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے۔

۱ فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے کا اجر و ثواب اس لئے بہت بڑا تھا کہ اسلام صرف مدینہ طیبہ ہی میں محدود تھا۔ اور مدینہ طیبہ بھی منافقوں اور اسلام کے دشمنوں سے بھرا ہوا تھا (باقی صفحہ ۱۴۷ پر) پس اللہ تعالیٰ نے اعظم ترین درجہ کو انفاق و سخاوت، قتال و جنگ، شجاعت و بہادری کے ساتھ معین کر دیا۔ مدینہ کی ہجرت سے پیشتر کفار مکہ آپ ﷺ کے خلاف جیسی جیسی سازشیں کرتے تھے وہ ظاہر ہے۔ مجبوراً طائف کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہاں کچھ کامیابی نصیب ہو، لیکن وہاں کے لوگوں کی سرکشی سے مایوس ہو کر واپس لوٹتے ہیں ۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے رفقاء کا بائیکاٹ کیا گیا شعب ابی طالب میں تین سال نظر بند رکھا گیا۔ چند صحابہ کو مجبوراً ہجرت حبشہ کی اجازت دی، تو کفّار مکہ کا وفد ان کے خلاف بھیجا گیا۔ کفار مکہ دارلندوہ میں جمع ہو کر آپ کے خلاف تدبیریں سوچا کرتے ہیں اور بالآخر سرداران مکہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دینے کا ارادہ کرتے ہیں ۔ آپ ﷺ ہجرت کے لئے مجبور ہوتے ہیں ہجرت کرتے ہیں تو آپ ﷺ کی گرفتاری کے لئے بڑے بڑے انعامات کے وعدے ہوتے ہیں۔ مکہ میں آپ اور آپ ﷺ کے رفقاء اللہ کی عبادت بھی کھلی

طور پرنہیں کرسکتے تھے۔آپ ﷺ باہرتبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے ہیں تو آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے کفار کے نمائندے چلے جاتے ہیں اورآپ ﷺ کے خلاف آوازیں کستے ہیں ،جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے ہیں تو یہودونصاریٰ اور منافقوں سے آپ ﷺ کو پالا پڑ تا ہے ۔یہ لوگ شب وروز مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں ،کفارمکہ کوروزانہ یہاں کی خبریں بھیجتے ہیں ،کفارمکہ دارلندوہ میں جمع ہوکرآپ ﷺ کے خلاف تدبیریں سوچا کرتے ہیں ۔غزوہ بدر،غزوہ احدان کی تدبیروں کا ادنیٰ سا کرشمہ تھا۔

غرض !اسلام محدود تھا۔اور مسلمان ہرطرح بےبس تھے،مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کھانے پینے کے سامان سے بھی قاصر تھے۔اورسارا ملک یہ سوچ رہا ہے کہ اسلام کوکس طرح مٹادیا جائے ،فتح مکہ سے پہلے اسلام کا خاتمہ صرف یہی ہے کہ صرف چند مسلمان ہیں ان کوختم کردیا جائے ،اسلام عام طور پر پھیلانہیں تھا۔کہ اگرایک جگہ کے مسلمانوں کوختم کر دیا جائے تو دوسری جگہ باقی ہیں ،آج اگر چین میں ختم کر دئے جائیں تو ہندوستان ، پاکستان ،افغانستان اورملک کے دوسرں خطوں میں موجود ہیں لیکن فتح سے قبل یہ صورت نہیں تھی ۔کفار یہ چاہتے تھے اسلام کا خاتمہ کردیں ،اوروہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ چندنفر ہیں ان کومٹانا کیا دشوار ہے؟ لیکن اللہ ان کی حمایت کرر ہا تھا،مسلمان پیغمبراسلام کے وعدوں پریقین رکھتے ہوئے اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں تھے۔کفار یہ یقین کئے بیٹھے تھے کہ ان چند مسلمانوں کومٹادینا اور اسلام کا خاتمہ کردینا کیا مشکل ہے اگرآج نہین تو کل ہم انہیں ختم کردیں گے ،لیکن اللہ کی امداد واعانت مسلمانوں کے ساتھ تھی ۔

هُوَالَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ○ (توبہ: ع:۵)

اوروہی ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تا کہ اس کوتمام دینوں پرغالب کرے گومشرکوں کوبُرا ہی کیوں نہ لگے۔

غرض ان حالات میں ایسی بےبسی وبےکسی میں جہاد کرنا جہاد کے لئے خرچ کرنا، جان ومال کی بازی لگادینا، جس قدردشواراورقابل قدر ہوسکتی ہے، وہ ظاہر ہےاور یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والوں ،خرچ کرنے والوں کا درجہ بہت بڑا ہے اللہ رب العزت ان سربلندوں ،اور بزرگوں ،ایمان ویقین اوراحسان کے ستونوں کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق دے۔ان بزرگوں کا ہم پر بڑا احسان ہے۔آج ہم انہیں کی

کوششوں کی وجہ سے اسلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اور قیامت تک دنیا میں اسلام کو قائم کر دیا۔ اور اسلام ہمیشہ باقی رہے گا۔ سر بلند رہے گا۔ کوئی اسے مٹا نہیں سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ پھلتا پھولتا ہی رہے گا۔ اور انہیں بزرگوں کی کوششوں کی وجہ سے پھلتا پھولتا رہے گا۔ (ابو العلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

اور قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا جاتا ہے:

وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ. (توبہ: ع:3)

اور اپنے جان و مال سے اللہ کے رستے میں جہاد کیے۔

اور بخل کو کبیرہ گناہ کہا ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ط (آل عمران: ع:۱۸)

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل و کرم دیا ہے اور وہ اسے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے کیونکہ جس مال کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان گلے میں پہنایا جائے گا۔

اور فرمایا جاتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (توبہ: ع:۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو روزِ قیامت کے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنا دو۔

اسی طرح جبن اور بزدلی کی مذمت فرمائی ہے مثلاً فرمایا جاتا ہے:

وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (انفال: ع:۲)

اور جو شخص ایسے موقع پر کافروں کو اپنی پیٹھ دکھائے گا تو سمجھنا وہ اللہ کے غضب میں آ گیا

اوراس کاٹھکانا دوزخ ہے، اوروہ بہت بری جگہ ہے مگرلڑائی کے لئے پینترا بدلنا ہو، یا اپنے لوگوں میں جا شامل ہونے کیلئے پھر جائے تو مضائقہ نہیں۔

اورفرمایا جاتا ہے:

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَاهُمْ مِنْكُمْ ط وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ(توبہ: ع:۷)

اور مسلمانو! یہ منافق تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ بُزدل لوگ ہیں۔

اور کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ ﷺ کے اندر بیشمار جگہ اس چیز کا بیان ہے اور یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ روئے زمین کے بسنے والے اس پر متفق ہیں۔ یہاں تک کہ عام ضرب المثل ہوگئی ہے کہ:

لَا طَعْنَةَ وَ لَا جَفْنَةَ.

نہ نیزہ چلانا جانتا ہے نہ سخی مرد ہے۔

اور کہا کرتے ہیں:

لَا فَارِسَ الْخَيْلِ وَلَا وَجْهَ الْعَرَبِ.

نہ گھوڑے کی سواری جانتا ہے نہ عرب کا وجیہ انسان ہے۔

یہاں ﴿بیوروکریسی میں﴾ تین قسم کے لوگ ہیں۔ایک وہ جن پر دنیا کی محبت غالب ہے۔ان کا مقصد صرف اللہ کی زمین پر اپنی برتری، علواور بڑائی، غرور، تکبر، فساد وافساد ہے۔آخرت کا انہیں مطلقاً خیال نہیں ہے۔اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ عطیہ اورانعام واکرام کے بغیران کی سلطنت باقی نہیں رہ سکتی، اور یہ اس کی قدر نہیں رکھتے، اوراس لئے وہ حرام مال وصول کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔اور ایسے لوگ غارتگر، اورلٹیرے بن جاتے ہیں، اور کہتے ہیں:

”ولایت و امارتِ سلطنت وحکومت اسی کو ملتی ہے جو کھاتے کھلاتے، دیتے دلاتے رہتے ہیں۔عفیف، پاک دامن لوگ قطعاً

محروم رکھے جاتے ہیں اوراس پراس کے امراءرؤسا خفا ہو جاتے ہیں، بگڑ جاتے ہیں اوراُسے معزول کردیتے ہیں‘‘

ایسے لوگ دنیائے عاجل کو دیکھتے ہیں اورکل آنے والی دنیا کو بھول جاتے ہیں۔اورآخرت کو بھی بھول جاتے ہیں۔اگرانہیں توبہ نصیب نہ ہوئی،اصلاح آخرت کی توفیق میسر نہ آئی تو خسرالدنیا والآخرۃ کے مصداق بن کررہ جاتے ہیں۔

دوسرافریق ﴿بیوروکریسی میں﴾ وہ ہے جواللہ کا خوف رکھتا ہے۔مخلوق ورعایاپرظلم کرنابُرا سمجھتے ہیں۔حرام مال سے بچنے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔اور کہتے ہیں یہ عمدہ سے عمدہ اوراچھا سے اچھا فرض ہے۔باوجوداس کے وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ

سیاست پوری طرح انجام نہیں پاتی جب تک حرام نہ لیا جائے اور حرام نہ کھایا جائے اوراس لئے وہ سیاست ہی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔اوراس قسم کے کاموں سے مطلقاً علیحدہ رہتے ہیں۔

اور بسااوقات ان میں قدرتی جبن ﴿کم ہمتی﴾ بزدلی اورمخلوق اللہ سے چڑ ہو جاتی ہے۔کیونکہ ان کے پاس ایسا دین ہوتا ہے کہ واجب کوترک کردیتے ہیں۔اور یہ ترک بعض محرمات سے زیادہ مضر ہوا کرتا ہے،فرض چیز کو چھوڑ دینا،اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے رک جانا،ترکِ جہاد کے مترادف ہوا کرتا ہے۔کبھی یہ لوگ غلط تاویل کرلیتے ہیں،اورتاویل کرکے اچھےاورفرض کام سے رُک جاتے ہیں۔

اورکبھی یہ اعتقادرکھتے ہیں اس کام سے انکارواجب ہے۔اور یہ انکارقتال وجنگ کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔اوراس لئے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی قتال وجنگ کرلیتے ہیں۔جیسا کہ خوارج نے کیا، **یہ ایسے لوگ ہیں جن سے نہ دنیا بنتی ہے اورنہ دین بنتا ہے۔** لیکن کبھی کبھی ان لوگوں سے دین کے بعض گوشے،اوربعض اُمورِدنیا،اصلاح پزیرہو جاتے ہیں۔اورکبھی ان کی اجتہادی

غلطی معاف بھی ہو جاتی ہے۔ان کا قصور اور خطا بخش دی جاتی ہے۔اور کبھی ایسے لوگ سب سے زیادہ نقصان اور گھاٹے میں پڑ جاتے ہیں۔اور یہ وہ لوگ ہوا کرتے ہیں جن کی سعی وکوشش ضلالت وگمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔اور یہ طریقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو نہ تو اپنے لئے کچھ حاصل کرتے ہیں نہ غیر کو کچھ دیتے ہیں،صرف فاسق فاجر لوگوں کی تالیف قلوب کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں،مولفۃ القلوب کو دینا ایک قسم کا ظلم وجور ہے۔ان کو دینا حرام ہے۔

﴿بیوروکریسی میں﴾ تیسرا گروہ اُمت وسط کا ہے،اور یہ دین محمدی اور خلفاء کا ہے جو خواص وعوام اور ساری اُمت کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے۔اور وہ یہی ہے کہ مال خرچ کیا جائے اور رعایا کے فائدہ کے لئے خرچ کیا جائے۔مال دیا جائے اگر چہ وہ جن کو مال دیا جاتا ہے رؤساء اور مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ان کی ضرورت اور احتیاجات پوری کی جائیں۔اور حالات کی اصلاح اور اقامتِ دین ودنیا عفت نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی ضروریات واحتیاجات پوری کرنی چاہئیے۔بلا استحقاق مال نہ لیا جائے۔اور تقویٰ اور احسان دونوں کو جمع کرلیا جائے کیونکہ سیاست شرعیہ﴿شرعی حکومت﴾ان دو کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی،دین ودنیا کی اصلاح ان کے بغیر ناممکن ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ o (نحل: ع:١٦)

کیونکہ جو لوگ پرہیز گاری کرتے ہیں اور جو حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ ان کا ساتھی ہے۔

اور یہ وہی ہے کہ لوگوں کی روٹی کپڑے کا انتظام کیا جائے۔ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔اور خود حلال وطیب کھائیں۔اور یہ کہ اوپر کے لوگ (یعنی حاکم و بااختیار لوگ) خرچ کم کردیں کیونکہ قدرتی بات ہے کہ اوپر کے بسنے والے سے لوگ لینے کی تمنا زیادہ رکھتے ہیں،عفیف سے اتنی تمنا نہیں رکھتے ا اور جس قدر عفیف سے لوگ اپنی اصلاح کرلیتے ہیں غیر عفیف سے نہیں کرسکتے۔کیونکہ قدرت وامکان کے ساتھ عفت سے کام لینا،یہی تقویٰ اور دین کی حرمت ہے۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم

میں سیدنا ابوسفیان بن حرب سے روایت ہے کہ

ا مثلاً سلاطین اور بادشاہ وزراءاوران کے نائب، گورنراوران کے نائب۔اگرآج کل کی نمائشی جمہوری حکومت کے صدر جمہوریہ۔غرض طبقہء بالا کا پورے ملک پر، پوری سلطنت پر اثر پڑا کرتا ہے،اگراوپر کا طبقہ صالح ہےتو سارا ملک ساری سلطنت صالح ہوجائے گی۔اور براہےتو ساری سلطنت پراس کا اثر پڑے گا۔

رعایاپروری کا اقتضاء یہ ہے کہ رعیت کی فلاح و بہبود کوسب سے زیادہ پیش نظر رکھا جائے شیخ سعدی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے۔

گو سپند از برائے چوپان نیست

بلکہ چوپان برائے خدمت اوست

اگر بالائی طبقہ کےلوگ لیں گے، کھائیں گےتو ماتحتوں سے کفایت شعاری کی امیدیں بیکار ہیں۔سب لیں گے،کھائیں گےشیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیااچھا کہا ہے۔

بہ پنج بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد

زنند لشکر یانش ہزار مرغ بسیخ!

غرض یہ کہ رعایاپروری کا اقتضاء یہ ہے کہ رعیت کا پوراپوراخیال رکھا جائے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

بررعیت‌ضعیف رحمت کن تاازدشمن قوی زحمت نہ بینی ضعیف وکمزوررعیت پررحم کروتا کہ قوی دشمن سے زحمت نہ اٹھاؤ

اور سچ تو یہ ہے کہ زمین اللہ کا ملک ہے،اس پراللہ ہی کا دستوراورحکومت چلنی چاہیئے۔اسی سے دنیاوآخرت درست ہوسکتی ہےاورسب کی ذمہ داری دوگروہوں پرہے،اوروہ امراءاورعلماء ہیں۔اگر یہ دونوں گروہ درست ہیں تو ساری مخلوق اور معاشرت درست ہو جائے گی،اگر یہ ناہموار ہیں تو ہر چیز (مثلاً معاشرت،معیشت، دولت وحکومت) ناہموار ہوگی۔

ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان کوجواب دیتے ہوئے کہا یہ پیغمبر کیا بتلاتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا وہ ہمیں نماز پڑھنے کو کہتے ہیں،سچائی وپاکدامنی اورصلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں۔

اور ایک اثر میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی اتاری کہ اے ابراہیم تمہیں خبر ہے کہ میں نے تم کو اپنا خلیل کیوں بنایا ہے؟ اس لئے بنایا ہے کہ تم کو دینا زیادہ محبوب ہے اور لینا کم محبوب ہے۔

اور ہم عطا اور بخشش دینے کا ذکر کر چکے ہیں کہ سخاوت اور قومی فوائد کو پیش نظر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے، اور صبر وغضب میں دفع مضرت کا خیال رکھنا شجاعت و بہادری ہے اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور غضب وغصہ کے بارے میں لوگ تین قسم کے ہیں، ایک وہ جو اپنے لئے اور پروردگار عالم کے لئے غضب وغصہ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو نہ اپنے لئے غضب وغصہ کرتے ہیں نہ پروردگار عالم کے لئے۔ تیسرے وہ جس کو امت وسط کہتے ہیں **ان کا غضب وغصہ صرف پروردگار عالم کے لئے ہی ہوتا ہے، اور اس لئے وہ غضب وغصہ سے آشنا ہی نہیں** ہوئے، جیسا کہ صحیحین میں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِیَدِہٖ خَادِمًا لَہٗ وَلَا اِمْرَأَۃً. وَلَا دَابَّۃً وَلَا شَیْئًا قَطُّ. اِلَّا اَنْ یُّجَاھِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا نِیْلَ مِنْہُ شَیْئٌ فَانْتَقَمَ لِنَفْسِہٖ قَطُّ اِلَّا اَنْ تَنْتَھِکَ حُرُمَاتِ اللّٰہِ فَاِذَا انْتَھَکَ حُرُمَاتِ اللّٰہِ لَمْ یَقُمْ لِنَفْسِہٖ شَیْئٌ حَتّٰی یَنْتَقِمَ لِلّٰہِ.

نبی کریم ﷺ نے نہ کبھی اپنے خادم کو مارا، نہ عورت کو، نہ جانور کو، اور نہ کسی کو، مگر جہاد فی سبیل اللہ کے وقت، اور آپ کو نہیں دیکھا گیا کہ اپنے لئے آپ نے انتقام لیا ہو، مگر ہاں جبکہ حرمات الٰہی توڑی جائیں۔ جب تو آپ ﷺ کا غصہ کوئی تھام نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ اللہ کا انتقام لے لیتے۔

جس کا غضب وغصہ اپنے لئے اپنی جان کے لئے ہے، پروردگارِ عالم کے نہیں یا جو اپنے لئے وصول کرتا ہے، پروردگار عالم کے لئے نہیں اور دوسروں کو نہیں دیتا تو یہ چوتھی قسم کے لوگ مخلوق میں شریر

ترین لوگ ہیں۔ نہ ان سے دین کی اصلاح ممکن ہے نہ دنیا کی۔

صالح اور نیک بندوں کی سیاست کامل تھی، ان کا طریقہ یہ تھا کہ واجبات پر پورا پورا عمل کرتے تھے، محرمات سے قطعاً بچتے تھے، یہ ایسے مقدس لوگ تھے کہ ان کے عطیہ سے دین کی اصلاح ہوتی تھی۔ اور وہی چیز وہ لیتے تھے جو اُن کے لئے مباح تھی۔ اُن کا غضب وغصہ رب العالمین کے لئے ہوتا تھا اور اس وقت ہوتا تھا جبکہ محارم الٰہیہ توڑے جاتے تھے اور اپنا حصہ اپنا حق معاف کر دیتے تھے۔

یہ اخلاق نبوی تھے، مال خرچ کرنے میں مال کے لینے میں اور جو کچھ آپ کرتے تھے کامل اور مکمل تھا۔ اور جو شخص ان اخلاق کے قریب ہوگا وہ افضل و برتر ہوگا، پس مسلمانوں کا فرض اوّلین ہے کہ پوری پوری کوشش کریں اور طریق نبوی ﷺ کے قریب تر ہو جائیں اور کوشش کے بعد اپنے قصور تقصیر اور خطا کے لئے بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کریں۔ اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین دے کر نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے کامل ومکمل ہے۔ اور یہ اُمور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں موجود ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْ مُرُ کُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلَی اَھْلِھَا [1] (نسا: ع:8)

مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔

[1] یہ ہے وہ اسلامی حکومت جسے اللہ کی حکومت کہا جاتا ہے۔ اور ''سروری دردین ما خدمت گریست'' اسی کا نام ہے۔ آج کرۂ زمین پر بڑی بڑی حکومتیں قائم ہیں، لیکن کھوج لگاؤ کہ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا. کا وجود بھی ملتا ہے؟ اسلامی سلطنتوں پر نگاہ ڈالو کہ کہیں بھی لا لنفسه ولكن لربه حکومت ہوئی ہے؟ ساری دنیا ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ساری دنیا پر آج وہی رنگ چڑھا ہوا ہے جو اسلام سے قبل روم وعجم پر چڑھا ہوا تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ کے اندر باب ارتفاقات و اصلاح الرسوم میں رومیوں اور عجمیوں کا حال لکھا ہے، ہم اس کی تلخیص یہاں پیش کرتے ہیں، اس پر غور کیجئے اور ''اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰیٓ اَهْلِهَا'' کی بحث سامنے لے آئے، اور غور کیجئے کہ اللہ کیا چاہتا ہے، اور دنیا کدھر جا رہی ہے؟ اور دنیا کس قسم کا انقلاب چاہتی ہے، شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رومیوں اور عجمیوں کو جب خلافت ملی اور طویل مدت تک وہ اس منصب پر سرفراز رہے، تو لذّات دنیا میں گم ہو کر رہ گئے، اور شیطان ان پر ایسا مسلط ہو گیا کہ زیادہ سے زیادہ اسباب عیش فراہم کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنی خوش حالی و نمائش کرنا، ان کی زندگی کا مقصد قرار پا گیا۔ عقل و حکمت کا استعمال بھی ان کے یہاں بس یہی تھا کہ معاشی انتفاع کے دقیق سے دقیق وسائل تلاش کئے جائیں، اور پھر ان سے لطف اندوزی کے عجیب عجیب طریقے نکالے جائیں، ان کے رؤسا اپنی شان ریاست کے اظہار میں جس طرح دولت صرف کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص کا شمار رئیسوں میں ہوتا اس کے لئے دو لاکھ درہم سے کم قیمت کا تاج پہننا عار کی بات تھی، اس کے لئے ضروری تھا کہ ایک عالی شان محل میں رہے، جس کے ساتھ آبزن (پانی کے فوارے)، حمام اور باغ بھی ہوں۔ غلاموں کی ایک فوج اس کی خدمت میں اور قیمتی گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد اس کے اصطبل میں ہو۔ اس کا دستر خوان نہایت وسیع ہو اور بہتر سے بہتر کھانے اس کے باورچی خانے (کچن) میں ہر وقت تیار رہیں۔ غرض یہ کہ یہی چیزیں ان کے اصول معاش میں گھس گئیں اور ایسی جم گئیں کہ دلوں سے ان کا نکلنا محال ہو گیا۔ یہ ایک بیماری تھی جو اُن کے تمدن کی رگ رگ میں اتر گئی۔ اس کے اثرات بازاروں اور گھروں تک میں پھیل گئے مزدور اور کسان تک ان سے نہ بچ سکے۔ اس نے چند محلوں میں عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے کے لئے ملکوں اور اقلیموں کی بے شمار مخلوق کو مصائب میں مبتلا کر دیا۔ اس لئے کہ یہ سامان جمع نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ ان کے لئے پانی کی طرح روپیہ نہ بہایا جائے۔ اور اتنی کثیر دولت فراہم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ تاجروں اور کاشتکاروں اور دوسرے محنت پیشہ طبقوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جائیں۔ پھر اگر ٹیکسوں کی زیادتی سے تنگ آ کر یہ غریب طبقے روپیہ دینے سے انکار کریں تو ان کو فوجوں سے پامال کرایا جائے، اور اگر طاقت سے ڈر کر وہ اطاعت میں سر جھکا دیں تو ان کو گدھوں اور بیلوں کی طرح محنت میں جوت دیا جائے کہ وہ دن رات رئیسوں کے لئے دولت پیدا کریں اور ان کو دم لینے کی بھی فرصت نہ ملے، کہ خود اپنی سعادت دنیا اور آخرت کے لئے بھی کچھ کر سکیں۔ اس کا نتیجہ تھا کہ

لاکھوں کروڑوں کی آبادی میں مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جس کی نگاہ میں دین واخلاق کی کوئی اہمیت ہو، وہ بڑے بڑے کام جن پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے، اور جن پر انسانی فلاح وترقی کا مدار ہے قریب قریب معطل ہو گئے تھے، لوگ زیادہ تر یا تو ان صنعتوں میں لگ جاتے تھے جو روساء کے لئے لوازم عیش پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں یا پھر ان فنون اور ان پیشوں کو اختیار کرتے تھے جن سے رئیسوں کو عموماً دلچسپی ہوا کرتی ہے، اس لئے کہ ان کے بغیر کوئی شخص روساء کے ہاں درخور حاصل نہیں کر سکتا تھا، اور رؤساء کے ہاں درخور حاصل کرنے کے لئے سوا خوشحالی کے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ایک اچھی جماعت شاعروں، مسخروں، نقالوں، گلوکاروں، رنڈیوں، مصاحبوں، شکاریوں اور اسی طرح کے لوگوں کی پیدا ہو گئی تھی جو درباروں سے وابستہ رہتی تھی، اور ان کے ساتھ اگر اہل دین تھے بھی تو وہ حقیقت میں دیندار نہ تھے، بلکہ کسب معاش کے لئے دین کا پیشہ کرتے تھے، تاکہ اپنے زُہد کی نمائش سے یا شعبدوں سے یا اپنے مکروفریب سے کچھ کما کھائیں۔ اس طرح یہ مرض ان مما لک میں انسانی جماعت کو اوپر سے نیچے تک گھن کی طرح کھا گیا تھا۔ اس نے پوری پوری قوموں کے اخلاق گرادئے تھے۔ اور ان کے اندر رذیل خصلتیں پیوست کر دی تھیں۔ اس کی بدولت ان کی سرزمین میں اتنی صلاحیت ہی نہ رہی تھی کہ عبادت الٰہی اور مکارم اخلاق کا بیج اس کے اندر جڑ پکڑ سکے۔ جب روم وعجم کے مما لک پر یہ مصیبت حد سے بڑھ گئی اور حد سے متجاوز ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا۔ اور اس نے اس مرض کا علاج کرنے کا فیصلہ کر دیا کہ مرض کی جڑ کاٹ ڈالی جائے۔ چنانچہ ایک نبی اُمی (ﷺ) کو مبعوث فرمایا جو رومیوں اور عجمیوں سے گھلا ملا نہ تھا۔ اور جس تک ان کی عادات اطوار، خصائل کا کوئی اثر نہ پہنچا تھا۔ اس کو صحیح اور غلط، صالح اور فاسد، میں امتیاز کرنے والی میزان بنا دیا۔ اس کی زبان سے عجمی اور رومی عاداتِ قبیحہ کی مذمت کرائی۔ حیاتِ دنیا میں استغراق اور لذات دینوی میں انہاک کو مردود ٹھہرایا، عجمی عیش پرستی کے ارکان میں سے ایک ایک کو چن چن کر حرام کیا مثلاً سونے اور چاندی کے برتن، سونے جواہرات کے زیور، ریشمی کپڑے، تصاویر اور مجسمے وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی اُمی ﷺ کی سرداری سے روم وعجم کی سرداری کا استیصال کر دیا اور اعلان کرا دیا کہ: هَلَكَ كِسْرىٰ فَلَا كِسْرىٰ بَعْدَهٗ. وَ هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ. (انتهى ملخصاً ازباب اقامته الارتفاقات واصلاح الرسوم)

غرض! بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت جو حال ایران وروم کا تھا کہ معمورۂ دنیا پر چھائے ہوئے تھے، ساری دنیا انہی دو سلطنتوں کی غلامی کے جوئے میں جتی ہوئی تھی، آج دنیا امریکہ اور یورپی یونین کی غلامی کے جوئے میں جتی

ہوئی ہے۔ کہنے کوآزاد ہیں، لیکن حقیقت میں غلام ہیں۔انہی کی غیر صالحہ سیاست کو سیاست سمجھتی ہے، انہی کے مفرطانہ عیش پرستی، عیش کوشی کو زندگی کا ڈھانچہ سمجھتی ہے، انہی کے اخلاق وکردار کی غلامی میں زندگی گذارتی ہے، اور آج انہی کی سائنس نے دنیا کو عذاب الیم میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اگر دنیا آج اپنے لئے امن چاہتی ہے، روٹی چاہتی ہے، امن وسکون کی زندگی گذارنا چاہتی ہے۔ دنیا اور آخرت بنانا چاہتی ہے، دنیا میں امن وچین سے رہ کر اللہ کو یاد کرنا چاہتی ہے، دنیا اور آخرت دونوں بنانا چاہتی ہے، تو اسلام کے دستور کو اپنائے، کہ یہ آسمانی دستور ہے، قرآنی دستور العمل ہے، ملک اللہ کا ہے تو حکومت بھی اللہ کی ہونی چاہئے ''اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' قواعد وضوابط بھی اللہ ہی کے نافذ ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین نے انہی قواعد وضوابط کی طاقت سے ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ دنیا کا رنگ تبدیل کر دیا۔ روم وایران کا تختہ الٹ دیا اور دنیا پر اللہ کی حکومت قائم کر دی۔ نصف صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ قرآنی حکومت دنیا پر قائم کر دی۔ اور دنیا کے لئے رحمت ورافت، امن وچین، رحمت وسکون کی حکومت کھڑی کر دی۔ اور ''اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمَانَاتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا'' کی ہمہ گیر طاقت ساری دنیا پر چھا گئی۔ کاش مسلمان جاگیں اور رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کریں تو پھر یہ دنیا والوں کے لئے جنت بن جائے۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ۝ (ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہٗ)

باب 10 (Chapter) کے مضامین

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْابِالْعَدْلِ ۔حدودو حقوق کسی ایک قوم کے لئے خاص خاص نہیں ہیں۔حدود میں سفارش حرام و ناجائز ہے۔ رشوت دینے والا رشوت لینے والا اور رشوت دینے دلانے والا دلال سب گناہ گار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء: ع:8)

اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

لوگوں کو حکم ﴿فیصلہ﴾ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حدود و حقوق میں حکم ﴿یعنی فیصلہ﴾ کیا جائے۔ یہ حدود و حقوق دو قسم کے ہیں۔حدود و حقوق کی ایک قسم وہ ہے جو کسی ایک خاص قوم کے لئے معیّن اور خاص نہیں ہے بلکہ اس کی منفعت مطلقاً مسلمانوں کے لئے ہے، مثلاً قطاع الطریق ﴿راستے کاٹنے والے﴾ ڈاکو، راہزن، چور، زانی وغیرہ پر حد جاری کرنا۔مثلاً اموالِ سلطانی، اموالِ اوقاف اور وصایا، کہ یہ کسی ایک قوم کے لئے متعین اور مخصوص نہیں ہیں۔ اور یہ چیزیں حکومت، ولی الامر اور حاکم ﴿وقت﴾ کے لئے خاص توجہ کے محتاج ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اسی لئے فرمایا ہے:

لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اِمَارَۃٍ. بِرَّۃً کَانَتْ اَوْ فَاجِرَۃً.

لوگوں کے لئے امارت قائم کرنا ضروری ہے نیک ہو یا بری۔

لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین نیک تو ٹھیک ہے۔بُرا امیر کیوں مقرر کیا جائے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

یُقَامُ بِھَا الْحُدُوْدُ. وَتَأْمَنُ بِھَا السُّبُلُ وَ یُجَاھَدُ بِھَا الْعُدُوُّ وَ یُقْسَمُ بِھَا

الْفِيئُ.

اس امارت سے حدود اللہ کا اجراء ہوتا ہے، راستوں میں امن ملتا ہے، دشمنوں سے اس کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے، اوراس کے ذریعہ مال فئے تقسیم ہوا کرتا ہے۔

یہ وہ قسم ہے کہ والیان ملک ﴿حاکمِ وقت﴾، امراءولایت ﴿قاضی وجج﴾ پراس سے بحث کرنا، اس پرغور کرنا فرض ہے اور بلا کسی دعویدار کے دعویٰ اور مطالبہ کے ﴿یعنی حاکم اور کورٹ کوازخودنوٹس لیتے ہوئے﴾ یہ حدود قائم کرنی چاہئیں۔ اور یہی حکم شہادت (گواہی) کا ہے، بغیرکسی کے دعوے کے لینی چاہیئے۔ اگرچہ فقہاء نے چور کے ہاتھ کاٹنے میں اختلاف کیا ہے کہ جو مال چوری ہوگیا، کیااس کے مطالبہ کی ضرورت ہے کہ جس کا چوری ہوا ہے وہ اپنا مال طلب کرے تو چور پر حد جاری ہوگی وگرنہ نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مطالبہ کے بغیر حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن سب فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جس کی چوری ہوئی ہے، ﴿چور پر﴾ حد جاری کرنے کے لئے اس کے مطالبے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض علماء مال کے مطالبہ کی شرط لگاتے ہیں تا کہ چورکوکسی قسم کا شبہ نہ رہے۔

یہ جرائم کی وہ قسم ہے کہ جس میں حدود جاری کرنا واجب ﴿یعنی فرض﴾ ہے، شریف ہو یا کمین، اونچے خاندان اور بڑی برادری والا ہو یانہیں۔ طاقتور ہو، یاضعیف، سب پر حد جاری کرنا فرض ہے۔ جو ﴿حاکم، جج یا قاضی﴾ کسی کی شفاعت وسفارش سے، یا ہدیہ اورتحفہ لے کر، یا کسی دوسری وجہ سے حد کو معطل اورساقط کرے گا تو اُس پر اللہ اوراس کے رسول، اورفرشتوں اورلوگوں کی لعنت ہوگی۔ اس میں کسی کی سفارش مقبول نہیں ہوگی۔ اورسفارش کرنے والااس قبیل سے ہوگا۔ مَنِ اشْتَرٰی بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا. (اللہ کی آیتوں کوتھوڑے داموں بیچتا ہے)

اورامام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ فَقَدْ ضَادَّ اللهَ فِيْ اَمْرِهِ وَمَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُ. لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللهِ حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِيْ مُسْلِمٍ مَا لَيْسَ فِيْهِ حُبِسَ فِيْ رَدْغَةِ الْخِبَالِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَا رَدْغَةُ الْخِبَالِ؟ قَالَ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ. (رواہ ابوداؤد)

جس کی شفاعت وسفارش حدوداللہ میں سے کسی حد کے آڑے آئی تو وہ اللہ کا مقابلہ کرتا ہےاور جوشخص باطل پر جھگڑتا ہےاوروہ جانتا ہے کہ باطل ہےتو وہ اللہ کی خفگی میں رہے گا۔ یہاںتک کہ وہ اس جھگڑے کوچھوڑ دے،اور جس نے کسی مسلمان کے خلاف ایسی بات کہی جواس میں نہیں ہے،تو ایسے لوگ ردغۃ الخبال میں قید ہوں گے،صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ: ردغۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل دوزخ کا نچوڑا ہوا خون اور پیپ۔

نبی کریم ﷺ نے حکام، گواہوں اور جھگڑنے والوں کا ذکر اسی لئے فرمایا ہے کہ یہی لوگ حکم ﴿یعنی فیصلے﴾ کے اصل ارکان ہیں اور فیصلہ انہی کی منصفی پر ہوتا ہے۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، سفارش و شفاعت کے بارے میں مہتم بالشان واقعہ اس عورت کا ہے جو بنی مخزوم میں سے تھی۔جس نے چوری کی تھی۔کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، گفتگو کرنا چاہی تو لوگوں نے کہا نبی کریم ﷺ سے گفتگو کون کرے گا؟ گفتگو کی جرأت وہمت سوائے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے کوئی نہیں کرسکتا، چنانچہ سیدنا اُسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی کریم ﷺ کے حضور میں پیش کی۔آپ ﷺ نے فرمایا:

أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ؟ اِنَّمَا هَلَكَ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ فَا طِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.

کیا حدودالٰہی میں شفاعت وسفارش کررہے ہو؟ بنی اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے، جب کوئی ضعیف کمزور آدمی چوری کرتا تو اُس پر حد جاری کرتے، قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

یہ واقعہ بڑا عبرت انگیز، نصیحت خیز ہے کیونکہ قریش میں اشرف ﴿افضل﴾ ترین خاندان دو بطن دو خاندان ہی تھے۔ بنومخزوم اور بنوعبدمناف، جب اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ٹھہرا، اور ایسی چیز کے عوض کہ بعض علماء کے نزدیک عاریت ﴿یعنی ادھار﴾ لی گئی تھی اور بعض کے نزدیک خاص چوری کی گئی تھی۔ تو بدیگر چہ رسد۔ یہ قبیلہ سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ سب سے زیادہ شریف ﴿یعنی افضل﴾۔ اور خاص رسول اللہ ﷺ کے خادم اور دوست سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تھی۔ ان پر رسول اللہ ﷺ خفا ہوئے۔ اس شفاعت وسفارش سے سخت برہم ہوئے اور کہا، تم ایک حرام وناجائز بات لے کر آئے ہو۔ یہ حدودِالٰہی کے بارے میں سفارش ہے۔ اور پھر آپ نے مثال میں اپنی بیٹی سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال پیش کی کہ اگر یہ بھی چوری کرتیں تو میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔

روایت کی گئی ہے کہ جس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا تھا، اس نے توبہ کی تھی۔ اور ہاتھ کٹنے کے بعد یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ اس کی کوئی حاجت ہوتی تو پوری فرمادیا کرتے تھے۔

اور روایت کی گئی ہے:

اِنَّ السَّارِقَ اِذَا تَابَ سَبَقَتْہُ یَدہٗ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِنْ لَمْ یَتُبْ سَبَقَتْہُ یَدہٗ اِلَی النَّارِ.

چور جب توبہ کرلے گا تو وہی ہاتھ جو کاٹا گیا ہے جنت میں داخل ہونے میں سبقت کرے گا۔ اور اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کا یہی ہاتھ دوزخ کی طرف سبقت کرے گا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں روایت کی ہے۔ ایک جماعت نے ایک چور کو پکڑ لیا

تا کہ اُسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں، راستے میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ملے، ان لوگوں نے درخواست کی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ اس کی شفاعت وسفارش کر دیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب حدود کا معاملہ جج یا حاکم وسلطان تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے پر اور جس کے لئے سفارش کی جائے اس پر لعنت بھیجتا ہے''۔

سیدنا صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں سوئے ہوئے تھے۔ ایک چور آیا اور اُن کی چادر لے کر چلتا بنا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے اُسے پکڑ لیا اور خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اُسے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمہ سن کر چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میری چادر میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ میں اسے بخش دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَهَلَّا قَبْلَ اَنْ تَأْتِيَنِىْ بِهٖ عَفَوْتَ عَنْهُ. ثُمَّ قَطَعَ يَدَهٗ. (رواه اهل السنن)

کیوں میرے پاس لانے سے پہلے اُسے معاف نہیں کر دیا؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔

جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اگر میرے پاس لانے سے پہلے تم معاف کر دیتے تو ایسا ہوسکتا تھا۔ جب میرے پاس لے آئے تو اب تعطیل حد کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ نہ معاف کرنے سے ممکن ہے، نہ سفارش سے نہ بخشش سے۔ میرے علم کے مطابق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ راہزن، ڈاکو، لٹیرے اور چور وغیرہ جب ولی الامر یعنی حاکمِ وقت، جج یا قاضی وغیرہ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں اور پھر ڈاکو، چور توبہ کرے تو حد ساقط نہیں ہوگی بلکہ حد قائم رکھنا اور جاری کرنا فرض ولازم ہے۔ اگر ان لوگوں نے توبہ کی اور یہ اپنی توبہ میں سچے تھے تو یہ حد ان کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ اور توبہ میں استقامت ان کی توبہ کو استوار اور مضبوط کر دے گی، اور یہ چیز حقدار کے حقوق کا پورا پورا قصاص وبدلہ۔ اور بدلہ کی قدرت پانے کے برابر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کی اصل موجود ہے:

مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّکُنۡ لَّهٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡهَا وَمَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّکُنۡ لَّهٗ کِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقِیۡتًا ۝ (نساء ع ۱۱)

اور جو شخص نیک بات کی سفارش کرے اس نیک کام کے اجر میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے، اس کے وبال میں وہ بھی شریک ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ضابط ہے۔

کیونکہ شفاعت کے معنی ہی طلب اعانت کے ہیں۔ شفیع ﴿سفارش کرنے والا﴾ اور شفع ﴿جس کے لئے سفارش کی جائے﴾ دو کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں وتر آتا ہے۔ تو شفیع اس وتر کے ساتھ ہو گیا تو گویا ایک تھا، دو ہو گئے، پس اگر نیکی اور تقویٰ کی اعانت کرو گے تو یہ شفاعت حسنہ ہوگی۔ اگر اثم گناہ اور عدوان کی شفاعت و سفارش کرو گے تو یہ شفاعت سیئہ ﴿بری شفاعت﴾ ہوگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں شفاعت اور سفارش کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور اِثم و گناہ کی شفاعت و سفارش سے تمہیں روکا گیا ہے۔

پس اگر وہ اپنے عمل میں کاذب اور جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے فریب دل کو پھلنے پھولنے نہیں دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَائِنِیۡنَ ۝ (سورۂ یوسف ع ۷)

بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں کو چلنے نہیں دیتا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا. اَنۡ یُّقَتَّلُوۡا اَوۡ یُصَلَّبُوۡا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ذَالِکَ لَهُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَلَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ فَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ **(مائدہ ع 5)**

جولوگ اللہ اوراس کے رسول سے لڑنے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے جائیں یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دئے جائیں، یا ان کو دیس نکالا ﴿یعنی جلاوطن کر﴾ دیا جائے، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے، مگر جولوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ توبہ کرلیں تو جانے دو کہ اللہ معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے جو قدرت پانے سے پہلے تائب ہو گئے ہیں۔ ولی الامر ﴿جج یا﴾ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے جو توبہ کر چکا ہو فقط وہی مستثنیٰ ہے۔ جو قدرت پانے کے بعد اور حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس پر حد کا اجراء فرض اور ضروری ہے۔اس پر حد جاری کی جائے گی۔آیت کا عموم اور اس کا مفہوم اور علت جو اللہ نے بیان کی ہے، اسی پر دلالت کرتی ہے۔اور یہ اس وقت ہے جبکہ بینہ ﴿دلیل﴾ اور گواہ سے جرم ثابت ہو اور یا جب خود مجرم اپنے جرم کا اقرار کر لے۔اور اگر وہ خود آ کر جرم وگناہ کا اقرار کر لے اور اس سے پہلے توبہ بھی کر لی ہے، تو اس میں اختلاف ہے جو دوسرے مقام پر مذکور ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں حد جاری نہیں ہوگی۔ ہاں خود بخود حد کا طالب ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔اور اگر وہ چلا گیا، اور حد جاری کرانا نہیں چاہتا تو حد اس پر جاری نہیں کی جائے گی۔اور سیدنا ماعز بن مالک کی حدیث اسی پر محمول ہے، جس وقت صحابہ نے رجم کے وقت کی ان کی کیفیت بیان کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ.

ان کو تم نے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟

اس کے علاوہ دیگر احادیث وآثار بھی پائے جاتے ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ قدرت پانے

سے پہلے، جج، حاکم یا قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے توبہ کر چکا ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

اور سنن ابی داؤد، اور سنن نسائی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَعَافُوا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ. (ابوداؤد. نسائی)

تم آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو، کیونکہ جب میرے سامنے معاملہ پیش کر دیا جائے گا تو حد کا جاری کرنا واجب ہو جائے گا۔

اور سنن نسائی، اور ابن ماجہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَدٌّ يُعْمَلُ بِهٖ فِي الْاَرْضِ خَيْرٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ مِنْ اَنْ يُّمْطَرُوْا اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا.

زمین پر حد جاری کرنا، چالیس دن برسات برسنے سے زمین والوں کے لئے بہتر ہے۔

اور یہ اس لئے کہ **گناہ و معاصی: کمی رزق اور دشمن سے خوف کا سبب ہیں۔** جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جب حدود کا اجراء و قیام ہوگا اور اطاعت الٰہی غالب اور ظاہر ہو جائے گی تو گناہ، معاصی اور اللہ کی نافرمانی کم ہو جائے گی۔ اور جب معاصی اور گناہ کم ہو جائیں گے تو رزق بھی خوب ملے گا اور اللہ کی نصرت و امداد بھی نصیب ہوگی۔

اور زانی، چور اور شرابی، راستے کاٹنے والے راہزن وغیرہ سے ﴿رشوت کا﴾ مال لے کر حد کو معطل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے، نہ بیت المال میں لینا جائز ہے نہ کسی اور کے لئے لینا جائز ہے۔ اور جو مال بھی تعطیل حد، اور حد ساقط کرنے کے لئے لیا جائے گا سُحت ﴿رشوت﴾ اور حرام ﴿مال﴾ ہوگا۔ اگر ولی الامر ﴿جج، قاضی یا﴾ حاکم نے ایسا کیا تو اس نے دو خرابیاں جمع کر لیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے حد ساقط کر دی اور حرام مال لیا۔ دوسری یہ کہ اُس نے فرض ترک کیا۔ اور حرام چیز کا مرتکب ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ

مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ o (مائدہ ع ۹)

ان کوان کے مربی یعنی مشائخ اور علماء جھوٹ بولنے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے ،البتہ بہت ہی بُری ہے وہ درگذر جوان کے مشائخ اور علماء کرتے رہے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ یہود کی کیفیت بیان فرماتا ہے:

سَمَّاعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکَّالُوْنَ لِلسُّحْتِ ط (مائدہ ع ٦)

یہ لوگ جھوٹی باتیں بنانے کے لئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں ہیں۔

کیونکہ یہودی سحت ﴿یعنی رشوت﴾ حرام اور خبیث مال لیا کرتے تھے، رشوت کھاتے تھے، جس کا نام اُنہوں نے ''برطل'' رکھا تھا۔اور جسے ہدیہ﴿یعنی تحفہ﴾ وغیرہ کہا کرتے تھے۔

جب جج، قاضی یا حاکم ﴿رشوت کا﴾ حرام مال لے گا تو ضرور وہ جھوٹی گواہی وغیرہ بھی لے گا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ اَلـرَاشِیُ وَالْمُرْتَشِیُ وَالرَّائِشُ الواسطة الَّذِیُ یُمْشِیُ بَیْنَھُمَا .(رواہ اھل السنن)

رشوت لینے والا رشوت دینے والا اور جو دونوں کے درمیان ذریعہ (Middle man) ہے سب برابر کے گنہگار ہیں۔

اور صحیح بخاری، اور صحیح مسلم میں ہے دو آدمیوں نے اپنا جھگڑا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ سے فرما دیجئے۔دوسرا آدمی ذرا ہوشیار تھا، اُس نے بھی کہا ہاں یا رسول اللہ کتاب اللہ سے ہمارا فیصلہ فرما دیجئے۔اور مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا اچھا کہو۔وہ بولا میرا لڑکا اس کے گھر پر اُجرت پر کام کیا کرتا تھا، اُس سے اس کی عورت کے ساتھ زنا ہو گیا ہے۔اُس کی جانب سے میں نے سو بکریاں فدیہ میں دے

دی ہیں اور ایک غلام بھی آزاد کر دیا ہے۔ میں نے علماء سے مسئلہ پوچھ کر ایسا کیا ہے، آپ ﷺ نے جواب دیا: تمہارے لڑکے کے لئے سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے اور اس کی عورت کے لئے رجم کی حد جاری ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا قْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ. اَلْمِائَۃُ. وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَیْکَ وَ عَلٰی ابْنِکَ جَلْدُ مِائَۃٍ وَ تَغْرِیْبُ عَامٍ. واغد یَا اُنَیْسُ عَلٰی امْرَأَۃِ ھٰذَا فَاسْئَلْھَا. فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْھَا فَسَئَلَھَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَھَا .

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں کتاب اللہ سے تمہارا فیصلہ کروں گا: سو بکریاں اور خادم تم واپس لے لو۔ تمہارے لڑکے کو سو کوڑے لگیں گے۔ اور ایک سال جلاوطن رہے گا۔ اے انیس تم صبح ہوتے ہی اس عورت کے پاس جاؤ اور پوچھو۔ اگر وہ گناہ کا اعتراف کرے تو تم اُسے رجم کردو۔ جب پوچھا گیا تو اُس نے زنا کا اعتراف کر لیا تو اُسے رجم کر دیا گیا۔

غور کیجئے کہ مسلمانوں کو، مجاہدین اسلام کو، فقراء و مساکین کو مال مل رہا تھا لیکن آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، اور حد ساقط نہیں فرمائی۔

چنانچہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تعطیل حد، یعنی حد ساقط کرنے کے لئے مال وغیرہ لینا جائز نہیں ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ زانی، چور، شراب خور، ڈاکو اور راستے کاٹنے والے قطاع الطریق، راہ زن وغیرہ سے حد ساقط کرنے کے لئے جو مال لیا جائے وہ حرام اور خبیث ہے۔ اور عام طور پر بیشمار لوگوں کے اُمور فاسد اور خراب ہی ہوا کرتے ہیں ﴿یعنی وہ﴾ مال و دولت اور جاہ جلال اور قوت و طاقت کے ذریعہ حدود ساقط کرا دیتے ہیں۔ اور دیہات، قصبے، شہر، دیہاتی اعراب، ترکمان، کرد، فلاحین اور اہل ہوا و نفس ﴿نفس و خواہشات کی پیروی کرنے والے﴾ ۔ مثلاً قبس و یمن اور شہر کے رؤساء، امراء، غریبوں اور فقیروں کے بڑے بڑے امداد دینے والے، ان کے سردار اور مقدم، عوام

اورلشکروں کی خرابی کا موجب ہوتے ہیں۔اور یہی چیز ولی الامر جج/ قاضی اور حاکمِ وقت کی عزت و حرمت بھی ختم کر دیتی ہے۔دونوں سے اس کی عزت وحرمت محو ہو جاتی ہے۔اور جج، قاضی، ولی الامر اور حاکم کی حکومت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے جبکہ وہ رشوت لیتا ہے۔اور رشوت لے کر حد ساقط کر دیتا ہے۔جب ایک کی حد ساقط کر دی تو دوسروں پر حد جاری کرانا اس کے لئے دشوار ہو جاتا ہے۔حد جاری کرنے میں اس کا دل، اس کا ضمیر بالکل کمزور ہو جاتا ہے۔اور پھر یہ ملعون یہودیوں کے قبیل سے ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک اثر کے اندر ہے:

اِذَا دَخَلَتِ الرِّشْوَۃُ مِنَ الْبَابِ خَرَجَتْ اَمَانَۃٌ مِّنْ کُوَّۃٍ.

جب رشوت ایک دروازے سے داخل ہوتی ہے تو دوسرے راستے سے امانت چلی جاتی ہے۔

یہی حال اس مال ﴿یعنی ٹیکس﴾ کا ہے جو دولت وسلطنت باقی رکھنے کے لئے لیتے ہیں۔جس کا نام ان لوگوں نے تادیبات ﴿ٹیکس و جرمانہ﴾ رکھا ہے۔یہ مال قطعاً حرام ہے۔تم ان اعراب و بدو و گنوار مفسدوں کو دیکھو جب یہ اپنے لئے یا کچھ لوگوں کیلئے کچھ کر لیتے ہیں تو جج، قاضی، ولی الامر یا حاکمِ وقت کے یہاں کس شان سے پہنچتے ہیں۔اور یہ گھوڑے (اور آجکل بڑی بڑی گاڑیاں) پیش کرتے ہیں۔اس پیش کش کے بعد طمع، لالچ اور فساد کا جذبہ کس قدر بڑھ جاتا ہے، یہ لوگ ولایت وسلطنت اور حکومت کی حرمت وعزت کس طرح توڑ دیتے ہیں۔اور رعایا کیسی خراب ہو جاتی ہے۔یہی حال فلاحین کسانوں کا ہے۔اسی طرح شراب نوش لوگوں کا ہے۔جب کوئی شرابی پکڑا جاتا ہے اور کچھ مال پیسہ رشوت میں دے دیتا ہے تو وہ کیسی کیسی اور کس کس قسم کی امیدیں قائم کر لیتا ہے؟ ہر شرابی کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جب ہم پکڑے جائیں گے تو کچھ دے دلا کر چھوٹ جائیں گے۔پس جو مال جج، قاضی، ولی الامر یا حاکمِ وقت لیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور فساد بدستور قائم اور موجود رہتا ہے۔اسی طرح جب کوئی بڑا آدمی صاحب عزت وجاہ کسی کی حمایت کرتا ہے اور اس کو حد جاری کرنے سے بچا لیتا ہے۔

مثلاً بعض فلاحین ﴿خوشحال﴾ وکسان ﴿زمیندار﴾ کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اوراس کے بعد جج، قاضی، نائب سلطان (آئی۔جی۔پولیس، بڑے بڑے سول وفوجی افسروں) یا امیر ﴿حاکمِ وقت﴾ کے پاس پہنچتے ہیں، اوراللہ اوررسول ﷺ کے مقابلہ میں وہ مجرم کی حمایت وسفارش کرتے ہیں اور مجرم کو چھڑا کر لے جاتے ہیں، تو وہ وہی سفارش وحمایت ہے جس پر اللہ اوراس کے رسول نے لعنت بھیجی ہے۔جیسا کہ صحیح مسلم میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدَثًا .فَکُلّ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا مَنْ ھٰؤُلاءِ الْمُحَدَّثِیْنَ فَقَدْ لَعَنَہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ.

جس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی یا جو شخص گناہ گار کو پناہ دے تو جو مجرم کو پناہ دے گا تو اللہ اوررسول کی اس پر لعنت ہوگی۔

اور یہ تو رسول اللہ ﷺ فرما ہی چکے ہیں:

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُہٗ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰہَ فِیْ حُکْمِہٖ.

جس کی شفاعت وسفارش حدود جاری کرنے میں آڑے آئی تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ کا مقابلہ کرتا ہے۔

پس بتائیے کہ جن کے ہاتھ میں حدود کے اجراء وقیام کے اختیارات ہیں وہ ان مجرموں گنہگاروں سے معاوضہ لے کر چھوڑ دیں، اوران کا جرم معاف کردیں تو کتنا بڑا فساد برپا ہوگا؟ اور بڑے سے بڑا فساد تو یہ ہے کہ وہ معتدین، ظالموں کی حمایت کررہا ہے۔کسی کے جاہ ومرتبہ اوراثر ورسوخ کی وجہ سے حمایت کی جائے یا مال اوررشوت لے کر ﴿مجرم کو اسلامی سزا نہ دینے والا جج اور مجرم﴾ دونوں برابر ہیں۔اور پھر یہ کہ جو مال ان سے لیا جاتا ہے، وہ بیت المال کا مال ہوتا ہے، یا والی ﴿قاضی، جج یا حاکم وقت﴾ کا۔اوروالی حاکم ﴿حاکم یا قاضی وجج﴾ مخفی طور پر کبھی لیتا ہے اور کبھی اعلانیہ۔اور ظاہر ہے کہ سب کا سب حرام مال ہے، اوراس کی حرمت پر سارے مسلمانوں کا اجماع ہے۔مثلاً خمر وشراب کی

دوکانوں کی ضمانت وغیرہ کہ جو شخص بھی اس کی قدرت رکھتا ہے، اور اس کو جگہ دیتا ہے، یا دلواتا ہے، یا اس کی کسی قسم کی امداد واعانت کرتا ہے، یا مال اور رشوت لے کر اُسے اجازت دیتا ہے، یہ سب کے سب مجرم ہیں اور سب کے سب ایک ہی جنس کے لوگ ہوں گے اور یہ مہر بغی ﴿یعنی﴾ زنا کی اُجرت و معاوضہ کے برابر ہیں۔ کاہن اور کتے کی قیمت، اور حرام معاملہ کرانے والے قواد اور دلال کے مشابہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيْثٌ. وَمَهْرُ الْبَغْيِ خَبِيْثٌ وَ حَلْوَانُ الْكَاهِنِ خَبِيْثٌ.

(رواہ البخاری)

کتے کی قیمت خبیث اور ناپاک ہے، زنا کا معاوضہ لینا خبیث و ناپاک ہے اور کاہن، نجومی، ہاتھ دیکھنے والے، فال نکالنے والے وغیرہ (ان سب) کی اُجرت خبیث و ناپاک ہے۔

زنا کی اُجرت ومعاوضہ، قحبہ عورتوں ﴿طوائفوں، نائٹ کلب میں ناچنے گانے والی عورتوں﴾ کی اُجرت ومعاوضہ لینا قطعاً حرام ہے۔ اور یہی حکم ہے مخنث لڑکوں کا، ہیجڑوں کا خواہ آزاد ہوں یا غلام اور ان کے ساتھ فسق وفجور کرنے والوں کا اور کاہن، ہاتھ دیکھنے والے، اور نجومیوں کا۔ ان حرام کاموں کے عوض مال لینا قطعاً حرام ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو ولی الامر، جج، قاضی یا حکمران منکرات وجرائم کو روکے گا نہیں، اور حدود کا اجراء نہیں کرے گا اور مال لے کر چھوڑ دے گا اس کا حال حرامیوں اور چوروں کے سردار کا سا ہوگا۔ اور یہ بمنزلہ فحش کام کرنے والوں کے دلال کے ہیں جو دو زانیوں کو باہم ملا دیا کرتا ہے۔ اور ان سے مال لیا کرتا ہے۔ اس کا حال وہی ہوگا جو لوط علیہ السلام کی بڑھیا عورت کا ہوگا، جو فاسق وفاجر لوگوں کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دیتی تھی جس کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِيْنَ ٥ (اعراف: ع:10)

پس ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے نجات دی مگر ایک اُن کی بی بی کہ پیچھے رہ جانے والوں میں وہ بھی رہی۔

اور فرماتا ہے:

فَاسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ط (ھود ع ۷)

تو تم اپنے اہل وعیال کو لے کر کچھ رات رہے سے نکل بھاگو۔ اور پھر تم میں سے کوئی مڑ کر بھی ادھر کو نہ دیکھے۔ مگر تمہاری بی بی کہ وہ بے دیکھے رہنے کی نہیں، اور جو عذاب ان لوگوں پر نازل ہونے والا ہے وہ اس پر بھی ضرور نازل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بدترین بڑھیا کو جو دلالی کرتی تھی اِسی عذاب میں مبتلا کیا جو اس بدترین قوم خبیث و جرائم پیشہ لوگوں کو دیا۔ اور یہ اس لئے کہ یہ سب کا سب اثم وعدوان ﴿ گناہِ کبیرہ ﴾ ہے، اور اس پر مال لینا اثم وعدوان ﴿ گناہوں ﴾ کی اعانت وامداد ہے۔ اور ولی الامر ﴿ حاکم ﴾ اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دے یہی ولایت وحکومت کا اصل مقصود ہے۔ ولی الامر ﴿ قاضی، جج یا ﴾ حاکم مال لے کر، رشوت وصول کر کے کسی منکر کو پھلنے پھولنے دے گا ﴿ جیسا کہ پاکستان کا ہر حکمران اپنے ''آقاؤں'' کے اشاروں پر کرتا چلا آ رہا ہے ﴾ تو یہ عمل اصل مقصود کے خلاف اور اس کی ضد ہوگا۔ اور یہ اس کے مثل ہوگا کہ تم نے کسی کو دشمن کے خلاف لڑنے کو بھیجا اور وہ تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی اعانت وامداد کر رہا ہے۔ اور بمنزلہ اس مال کے ہوگا کہ تم نے کسی کو جہاد میں خرچ کرنے کو دیا اور وہ اُسے مسلمانوں کے قتل کرنے میں خرچ کر رہا ہے۔

اس کی مزید توضیح کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ بندوں کی اصلاح، فلاح و بہبود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بندوں کی معاش ومعاشرت اور اس کی فلاح و بہبود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ اور یہ اُسی وقت پوری ہوتی ہے جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا

جائے۔اسی امر بالمعروف، نہی عن المنکر سے یہ اُمت خیر الامم اور بہترین اُمت کہی گئی ہے جو دنیا جہان کی اصلاح کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

(آل عمران:12)

لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ. (آل عمران ١١)

اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائے، اچھے کام کرنے کو کہے اور برے کاموں سے منع کرے۔

اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی حالت بیان فرماتا ہے:

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ (مائدہ ع ١١)

جو کام وہ کر بیٹھتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے البتہ بہت ہی برے فعل تھے جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

اور فرماتا ہے:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ (اعراف ع ٢١)

تو جب ان نافرمانوں نے وہ نصیحتیں جو ان کو کی گئی تھیں بھلا دیں تو جو لوگ برے کاموں سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے بچا لیا۔اور جو شرارت کرتے رہے ان کی نافرمانیوں کی

پاداش میں ہم نے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جب اللہ کا عذاب اُتر چکا تو اللہ نے ان لوگوں کو نجات دی جو گناہوں سے بچتے رہے، اور بدعمل ظالموں کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اثناء خطبہ ﴿یعنی خطبہ کے دوران﴾ میں فرمایا: مسلمانو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور غیر جگہ استعمال کرتے ہو:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط

(مائدہ ع ۱۴)

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو، جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے، تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حال یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

اَنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوْا. اَوْ شَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ.

جب لوگ منکر، ناجائز کام کو دیکھیں اور اس کی اصلاح نہ کریں تو قریب ہے ان پر عذاب الٰہی عام ہو جائے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

اِنَّ الْمَعْصِيَةَ اِذَا اُخْفِيَتْ لَمْ تَضُرَّ اِلَّا صَاحِبَهَا وَلٰكِنْ اِذَا ظَهَرَتْ فَلَمْ تُنْكَرْ ضَرَّتِ الْعَامَّةَ.

معصیت و گناہ مخفی طور پر کیا جائے تو معصیت و گناہ کرنے والے ہی کو نقصان پہنچتا ہے لیکن جب کھلے طور پر کیا جائے اور اس کی اصلاح نہ کریں تو عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے۔

اور اسی قسم کو ہم نے حدودِ الٰہی، اور حقوق اللہ کے اندر پیش کیا ہے جس کا بڑے سے بڑا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

اور امر بالمعروف مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، صدقہ و امانت، والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی، صلہ رحمی، اہل وعیال اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت وغیرہ۔ پس ولی الامر ﴿سردار، چودھری، افسر وغیرہ﴾، حاکم ﴿وقت﴾ کا فرض ہے کہ جن پر قدرت رکھتا ہے انہیں فرض نماز کا حکم کرے۔ اور تارکِ نماز کو عقاب وعذاب دے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اگر تارکِ نماز ایک متمرد و سرکش گروہ ہے تو ان کے خلاف جہاد کرے، اس پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ اور روزے ترک کرنے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے۔ یہی حکم ہے ان محرمات کا جن پر اجماع ہے۔ ان محرمات کو حلال جاننے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے۔ مثلاً محارم سے نکاح کرنا، اللہ کی زمین پر فساد پھیلانا وغیرہ۔ ان کے خلاف جہاد فرض ہے۔ ہر مضبوط اور سخت گروہ اگر التزامِ شریعت اور شرائع اسلام جو ظاہر اور متواتر ہیں، ان کا انکار کرے تو ان کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے یہاں تک کہ تمام دین اللہ تعالیٰ کا دین ہو جائے۔ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اگر تارکِ نماز ایک شخص ہے تو اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُسے سزا دی جائے، مار ماری جائے، قید وحبس میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ نماز کا پابند ہو جائے۔ اور جمہور علماء اس پر ہیں کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ اور اُسے قتل کرنا واجب ہے جبکہ وہ نماز ترک کرنے پر اڑ جائے۔ پہلے اُسے کہا جائے کہ توبہ کرو۔ اگر وہ توبہ کر لے اور نماز پڑھنے لگے تو بہتر وگرنہ قتل کر دیا جائے۔ اب اس کے بارے میں یہ فیصلہ باقی ہے کہ آیا یہ کافر ہو گیا اس لئے قتل کر دیا جائے، یا فاسق ہے اس لئے؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ اور سلف کی اکثریت اس پر ہے کہ وہ کافر ہو گیا اس لئے قتل کر دیا جائے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ وجوب کا اقرار کرتا ہو۔ لیکن جب وجوب ہی کا انکار کرے تو تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ وہ اس انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہی حال تمام واجبات اور محرمات کا ہے جن کے خلاف اقدام کرنے پر اُسے قتل کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ترک واجبات اور فعل محرمات کی عقوبت وسزا جہاد فی سبیل اللہ کا اصل مقصود ہے۔ اور یہ جہاد اُمت مسلمہ پر بالاتفاق واجب ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول اس پر

دلالت کرتی ہیں۔اور یہ جہاد بندوں کا بہترین عمل ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے درخواست کی کہ:

يَا رَسُوْلَ اللهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ لَا تَسْتَطِيْعُهٗ اَوْ لَا تُطِيْقُه قَالَ اَخْبِرْنِیْ بِهٖ. قَالَ تَسْتَطِيْعُ اِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ اَنْ تَصُوْمَ وَلَا تَفْطَرُ وَ تَقُوْمَ وَلَا تَفْتِرُ. قَالَ وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ ذٰلِکَ فَذَا الَّذِیْ يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ

یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔آپ نے فرمایا: تم ایسے عمل کی طاقت نہیں رکھتے۔اُس نے کہا مجھے بتلا تو دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ مجاہد جہاد کے لئے نکلے، اُس وقت سے تم روزہ رکھو اور کبھی ناغہ نہ کرو۔اور رات بھر نماز پڑھو اور کبھی نہ چھوڑو۔پھر فرمایا اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ پھر فرمایا یہ عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَمِأَةَ دَرَجَةٍ بَيْنَ الدَّرَجَةِ اِلَى الدَّرَجَةِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَعَدَّ اللهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِیْ سَبِيْلِهٖ .

جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کا فاصلہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار رکھے ہیں۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہیں۔اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَ عَمُوْدُهٗ الصَّلٰوةُ وَ ذَرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِی سَبِيْلِ اللهِ

اسلام راس الامر ہے۔اور اس کا عمود وستون نماز ہے۔اور سب سے افضل و برتر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اوراللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات)

پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

اوراللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ . وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْہُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ○ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) آباد رکھنے کو اس شخص جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی لوگ منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور باغوں میں رہنے کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی، ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، بیشک

اللہ کے ہاں ثواب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

باب 11 (Chapter) کے مضامین

قطاع الطریق یعنی راہزنوں، ڈاکوؤں، لٹیروں کی عقوبت و سزا۔ جب نبی کریم ﷺ کسی کو جہاد کے لئے بھیجتے تو نصیحت فرماتے کہ کافروں کو قتل کرو لیکن غلو ﴿یعنی حد سے تجاوز﴾ نہ کرنا۔ اپنا وعدہ اور عہد پورا کرنا۔ ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ نہ کرنا۔ چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا۔ جو اپنے اپنے گھروں میں اسلحہ اور ہتھیار لے کر بیٹھے ہوں ان کو قتل نہ کرنا۔ اگر کافر مسلمانوں کو مثلہ کریں تو مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ بھی ایسا کریں۔ لیکن نہ کرنا بہتر ہے۔

محارب ﴿لڑائی کرنے والا، جنگی مجرم، کرائے کے قاتل یا دہشتگرد﴾، قطاع الطریق، راہزن، ڈاکو، جو راستوں وغیرہ میں مسافروں، راہ چلنے والوں کو لوٹا کرتے ہیں اور ان کا مال چھینا کرتے ہیں، اب وہ اوراعراب اور بدو، دیہاتی ہوں یا ترکمان، فلاحین کسان یا بدمعاش سپاہی، فوجی ہوں یا نوجوان شہری ہوں خواہ کوئی بھی ہوں، ان کی عقوبت وسزا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذَالِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (المائدة ع 5)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور فساد کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے جائیں یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ ڈالے جائیں یا ان کو جلا وطن کر دیا

جائے یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سنن میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قطاع الطریق راہزنوں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کے متعلق فرماتے ہیں:

اِذَا قَتَلُوْا وَاَخَذُوا الْمَالَ قُتِّلُوْا وَصُلِّبُوْا وَاِذَا قَتَلُوْا وَلَمْ يَاْخُذُوا الْمَالَ قُتِّلُوْا وَلَمْ يُصَلِّبُوْا وَاِذَا اَخَذُوا الْمَالَ وَلَمْ يُقَتِّلُوْا قُطِّعَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خَلَافٍ وَاِذَا اَخَافُوا السُّبُلَ وَلَمْ يَاْخُذُوا الْمَالَ نُفُوْا مِنَ الْاَرْضِ.

جب وہ قتل کریں اور مال ومتاع لوٹ لیں تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر چڑھا دیا جائے اور جب وہ قتل کریں اور مال ومتاع نہیں لوٹا تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر چڑھایا جائے، اور جب مال لوٹ لیں اور قتل نہ کریں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں، ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں، اور جب یہ لوگ مال ومتاع نہیں لوٹتے اور صرف ڈراتے ہیں تو انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔

یہی قول اکثر علماء کا ہے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے قریب قریب ہے۔

اور انہیں لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے متعلق امام وامیر ﴿حکام اور جج یا قاضی﴾ کو اجتہاد اور غور کرنا ہوگا۔ قتل کرنے اور نہ کرنے کی مصلحت سامنے رکھنی ہوگی۔ اگر رئیس وسردار، پیشوائے مطاع (مریدوں اور حُروں کا ''پیر'') ہے تو اُسے قتل نہ کیا جائے۔ دوسروں کو مصلحت دیکھ کر قتل کرادے

اگر انہوں نے مال نہیں لوٹا لیکن وہ شجاع اور بہادر اور قوی ہے، اور قوت وطاقت سے مال لے سکتا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

بعض کا قول ہے کہ اگر اس نے مال لوٹا ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے، اور اُس کے ہاتھ کاٹے جائیں اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

جو محارب ﴿ کرائے کے قاتل یا دہشتگرد ﴾ ہیں اور انہوں نے قتل بھی کیا ہے، تو امام و امیر، اور حاکم ان پر حد جاری کرے، اور انہیں قتل کرادے۔ ایسے لوگوں کو معاف کرنا اور درگذر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے۔ مقتول کے ورثاء پر اس کا دارومدار نہیں ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ کسی آدمی نے کسی باہمی عداوت و جھگڑے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ خاص اور اسباب کی وجہ سے قتل کیا ہے تو مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو اختیار دے دیا جائے، یہ چاہیں تو اُسے قتل کردیں، چاہیں معاف کردیں۔ اور چاہیں تو دیت وخون بہا لے لیں۔ کیونکہ غرض خاص اور وجہ مخصوص کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔

محارب ﴿ لڑائی کرنے والے، جنگی مجرم، کرائے کے قاتل اور ہشت گرد ﴾ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں کیونکہ انہوں نے مال لوٹا ہے، اور ان کا ضرر ونقصان عام ہے۔ یہ بمنزلہ چوروں کے ہیں اور انہیں قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا۔ اور یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اگر مقتول کفو من قاتل کے برابر نہیں ہے مثلاً قاتل حُر وآزاد ہے اور مقتول غلام ہے، یا قاتل مسلمان ہے اور مقتول غیر مسلم ذمی یا مستامن ہے تو فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ محارب ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ اور قوی قول یہی ہے کہ قتل کردیا جائے کیونکہ فساد عام کے اعتبار سے بر بنائے حد قتل کیا جائے گا۔ جس طرح کہ لوگوں کا مال لینے کی وجہ سے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور لوگوں کے حقوق کی بنا پر حبس وقید میں رکھا جاتا ہے۔

اگر محارب راہزنوں اور چوروں کی ایک جماعت ہے اور ان میں سے ایک قتل کا مرتکب ہے اور دوسرے اس کے معاون ومددگار ہیں تو کہا گیا ہے کہ جو شخص قتل کا مرتب ہے فقط اُسے قتل کیا جائے۔

اور جمہور علماء کا قول ہے کہ سب کو قتل کردیا جائے، اگرچہ ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہو۔ خلفاء راشدین سے یہ ماثور ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے محارب لوگوں کے اس نگران کو جو بلند مقام پر بیٹھ کر مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا کرتا تھا اور کافروں کو اطلاع دیا کرتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا، قتل

کرادیا تھا۔اس لئے کہ قتل کرنے والا ان کی معاونت وامداد سے قتل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔اوران کی اعانت وامداد سے ظفریاب اور متمتع ہوتا ہے۔اوراس لئے ثواب وعقاب میں سب کے سب مشترک ہوں گے جیسے کہ مجاہدین ثواب اور مال میں سب مشترک ہوتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلْـمُسْـلِمُوْنَ تَتكَافَاءُ دِمَائُهُمْ وَ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى سِوَاهُمْ وَيُرَدُّ متسَريهِمْ عَلٰى قَاعِدَتِهِمْ

تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اورادنیٰ آدمی کا ذمہ بھی پورا کیا جائے گا۔اغیار کے مقابلہ میں سب ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔اورمسلمان سریہ﴿فوجی جنگی دستہ﴾بھیجیں تو اُس سریہ میں مال﴿واسباب جنگ﴾بھیجنے والے،بیٹھے رہنے والوں کے برابر ہیں۔

یعنی جب مسلمانوں کا لشکر چندآدمیوں کوبطورسریہ بھیجیں اوراس سریہ نے مال غنیمت حاصل کیا تو اُس میں مسلمانوں کا لشکربھی شریک رہے گا۔کیونکہ اسی کے بل بوتے پرغالب رہے ہیں۔اورانہی کی قوت و تمکنت سے قدرت پائی ہے۔ہاں کچھ نُفل یعنی زائد دیا جائے تو یہ دوسری﴿بہتر﴾بات ہے۔نبی کریم ﷺ نے نُفل اورزائدسریہ﴿فوجی دستے﴾کودیا ہے۔ابتداء میں خمس کے بعدایک ربع دیا تھا۔ جب لوگ وطن واپس لوٹے اوروطن سے سریہ بھیجا توخمس کے بعدایک ثلث یعنی تہائی حصہ دیا تھا۔

اسی طرح اگرفوج ولشکر مال غنیمت حاصل کرے تو سریہ کوشریک کرلیا جائے کیونکہ سریہ﴿فوجی دستہ﴾مسلمانوں کی فوجی،لشکری مصلحتوں کی وجہ سے بھیجا گیا ہے۔جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اورسیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔اس لئے کہ لشکراسلام اور مسلمانوں کی فوجی مصلحت کی وجہ سے یہ بھیجے گئے تھے،تواس گروہ کے معاونین وانصارمعاون ومددگارو،ہی فائدہ اٹھائیں گے جو﴿دوسرے﴾لوگ اٹھارہے ہیں۔جواُن کے لئے ہوگا ان کے لئے بھی ہوگا اور جواُن پر ہوگا وہ ان پر بھی ہوگا۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو باطل پرلڑے مرے اور بلاتاویل کےقتل ہوئے مثلاً قبائلی عصبیت یا

جاہلیت کی دشمنی کی بناء پر باہم لڑے اور قتل ہوئے ۔ جیسے کہ قبیلہء قیس اور قبیلہء یمن وغیرہ۔ دونوں کے دونوں ان میں سے ظالم تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا الۡتَقی الۡمُسۡلِمَانِ بِسَیۡفِهِمَا فَالۡقَاتِلِ وَالۡمَقۡتُوۡلُ کِلَاهُمَا فِی النَّارِ

جب دو مسلمان باہم تلواریں سونت لیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں (بخاری ومسلم)

ان میں سے ہر گروہ دوسرے گروہ کی جان و مال تلف کرنا چاہتا تھا۔ گو قاتل اور مقتول نہیں جانتے تھے کہ کون مرتا ہے اور کون مارتا ہے۔ ہر طائفہ، ہر گروہ اپنی مدافعت کرتا تھا اور دوسرے کو مارتا تھا۔

لیکن اگر صرف مال لوٹ لیا ہے قتل نہیں کیا جیسا کہ اکثر اعراب ﴿بدوؤں﴾ کا دستور ہے تو اس صورت میں ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور یہ اللہ کا فرمان بھی ہے۔

اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِنۡ خَلَافٍ (المائدۃ ع 5)

یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں۔

ہاتھ کاٹا جائے جس سے وہ پکڑتے اور چھینتے تھے۔ اور پاؤں کاٹا جائے جس سے یہ چلتے تھے۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد کھولتے ہوئے زیتون کے تیل میں داغ دیئے جائیں تاکہ خون بند ہو جائے اور اُس کی جان تلف نہ ہو۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اُن کا بھی یہی طریقہ ہے۔

اور یہ عمل یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنا ایسا عمل ہے کہ قتل سے زیادہ موجب زجر و توبیخ ﴿عبرتناک﴾ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اعراب وفساق، لشکری غیر لشکری (اور آبادیوں میں رہنے والے) ہمیشہ کٹے ہوئے ہاتھ اور پاؤں دیکھا کرتے ہیں اور باہم مذاکرہ کرتے رہتے ہیں کہ فلاں جرم کے عوض میں یہ سزا ملی ہے۔ اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بخلاف قتل کے کہ اکثر اسے بھول جایا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے بعض لوگ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے مقابلہ میں قتل ہونے اور مرنے کو پسند کرتے ہیں۔ یقیناً چوروں وغیرہ کے لئے یہ سزا نہایت عبرت آموز ہے۔

اور اگر چہ لوگ اسلحہ نکال لیں۔مگر کسی کو گزند نہیں پہنچائی اور نہ مال وغیرہ لوٹا ہے۔اور پھر تلواریں نیام میں کرلیں یا بھاگ گئے۔یا لوٹ مار اور جنگ چھوڑ دی تو ایسے لوگوں کو جلاوطن کر دیا جائے۔کہا گیا ہے جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک شہر اور آبادی میں اجتماعی حیثیت سے انہیں نہ رہنے دیا جائے۔بعض کہتے ہیں انہیں حبس وقید میں رکھا جائے یہی ان کے لئے جلاوطنی ہے،بعض کہتے ہیں جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ امام وامیر اور حاکم جس بات کو قوم کے حق میں اصلح ﴿زیادہ بہتر﴾ سمجھے وہ کرے،خواہ جلاوطن کرے یا حبس وقید میں رکھے یا جو طریقہ بھی مناسب ہو معلوم کرے۔

اور شرعی قتل یہ ہے کہ تلوار یا کسی دوسری تیز چیز سے انسان کی گردن کاٹ دی جائے۔کیونکہ قتل کا آسان ترین طریقہ یہی ہے۔اللہ نے آدمی،بہائم اور چوپایوں کو اسی طرح قتل کرنا مشروع فرمایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ و اذا ذبحتم فاحسنوا الذبحۃ ولیحد احدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ (رواہ مسلم)

بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے جب تم کسی کو قتل کرو تو اچھے طریقے پر قتل کرو جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے پر ذبح کرو۔اپنی چھری تیز کرلیا کرو اور ذبیحہ کو جلد سے جلد راحت پہنچاؤ۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

ان اعف الناس قتلۃ اھل الایمان .

بیشک اہل ایمان قتل کرنے میں سب سے زیادہ باعافیت ہوتے ہیں۔

سولی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کو اونچی جگہ لٹکا دیا جائے تاکہ لوگ اُسے دیکھیں اور مشتہر ہو جائے۔جمہور علماء کے نزدیک یہ قتل کرنے کے بعد ہوا کرتا ہے اور بعض علماء کا قول ہے پہلے سولی پر لٹکا دیا جائے پھر قتل کر دیا جائے۔

اور جولوگ قتل کئے جائیں تو اُنہیں مثلہ کرنا، یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں قصاص و بدلہ کی صورت میں جائز ہے چنانچہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو صدقہ و خیرات کا حکم فرمایا۔ اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ کفار کو ہم قتل کریں تو اُن کو بھی مثلہ کرنے سے ہم کو منع فرمایا ہے۔ قتل کے بعد اُن کو مثلہ نہیں کیا کرتے تھے اُن کے ناک اور کان نہیں کاٹتے تھے اور نہ ہی ان کے پیٹ چیرا کرتے تھے ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے ایسا کیا تو ہم بھی ایسا کرتے تھے لیکن پھر بھی چھوڑ دینا بہتر سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (نحل: ع16)

مسلمانو! مخالفین کیساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر صبر و کرو تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے اور اے پیغمبر تم صبر کرو اور اللہ کی توفیق کے بغیر تم صبر کر ہی نہیں سکتے۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی ہے جب سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور شہداء اُحد کے ساتھ کفار نے ایسا کیا، اُن کو مثلہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رنج کے مارے کہا:

لَئِنۡ اَظۡفرنی الله بهم لامثلن بضعفی ما مثلوا بنا.

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ظفریاب ﴿فتح یاب﴾ کیا تو میں اُن میں سے دُگنے آدمیوں کو مثلہ کروں گا جیسا کہ اُنہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ گو اس سے پہلے مکہ معظّمہ میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی جس طرح کہ یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے:

وَ یَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ (بنی اسرائیل ع10)

اے پیغمبر! تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ روح میرے رب کا ایک حکم ہے۔

اور یہ آیت:

وَ اَقِمِ الصَّلوٰةَ طَرَفِیَ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ اِنَّ الۡحَسَنَاتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّئَاتِ

(ھود ع 10)

اے پیغمبر! دن کے دونوں سرے صبح و شام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو بیشک نیکیاں گناہوں کو دُور کردیتی ہیں۔

وغیرہ آیتیں دوبارہ نازل ہوئی ہیں، پہلے مکہ میں نازل ہوچکی تھیں پھر ضرورت پیش آئی تو پھر نازل کی گئیں۔غرض! نبی ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا:

بل نصبر

بلکہ ہم صبر کریں گے۔

اور صحیح مسلم میں برودۃ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ جب کبھی کسی کو امیر سریہ یا امیر لشکر بنا کر بھیجتے تو اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو خاص نصیحت فرماتے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ہدایت فرماتے اور پھر فرماتے:

اغـذوا بسم اللہ و فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ لا تغلوا ولا تعذروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا. (رواہ مسلم)

اللہ کا نام لے کر جہاد کرو اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اُن کو قتل کرو غلو مت کرو اور غدر نہ کرو اور مثلہ نہ کرو اور چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرو۔

اگر کفار مال و متاع لوٹنے کی غرض سے بڑی آبادیوں میں اسلحہ، ہتھیار لے کر چڑھ دوڑیں تو انہیں محارب کہا جائے گا یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں وہ محارب نہیں کہے جائیں گے بلکہ وہ بمنزلہ اُچکوں اور ڈاکوؤں کے ہوں گے کیونکہ شہری آبادی میں امداد و اعانت طلب کی جائے تو لوگ امداد کیلئے دوڑ پڑتے

ہیں۔

اور اکثر لوگوں کا قول ہے کہ آبادیوں اور صحراء کا ایک ہی حکم ہے اور یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے اکثر شاگردوں کا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا ہے: بلکہ شہروں میں لوٹ وغارت گری کرنے والے صحراء میں لوٹ وغارت گری کرنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ عقوبت وسزا کے حقدار ہیں کیونکہ شہری آبادیاں امن واطمینان کے اعتبار سے زیادہ محفوظ ہوا کرتی ہیں باہم ایک دوسرے کی نصرت وامداد اور تعاون زیادہ حاصل ہوا کرتا ہے اور ایسی جگہ اقدام کرنا سخت ترین محاربہ اور سخت ترین غلبہ کی دلیل ہے ان کا جتھہ بہت قوی اور مضبوط ہے اور اسی لئے وہ شہر اور آبادیوں پر حملہ آور ہوئے ہیں اور ان کے گھروں میں گھس کر سلب وغارت گری اور لوٹ مار کر رہے ہیں ان کا مال ان کا اندوختہ لوٹ رہے ہیں اور مسافر کیساتھ سارا مال ومتاع نہیں ہوا کرتا بلکہ کچھ مال ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں یہی مسلک صحیح صواب ہے خصوصاً وہ گروہ جنہیں شام ومصر والے مفسر اور بغداد والے عیار کہا کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ لاٹھیوں اور پتھروں سے جنگ کریں تو یہ لوگ بھی محارب ہی کہے جائیں گے فقہاء سے نقل کیا گیا ہے "**لا محاربة الا بالمحدود**" محاربہ تیز چیز سے ہوا کرتا ہے بعض لوگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ محاربہ تیز چیز اور بھاری چیز کے پھینکنے سے ہو اور پھر اس بارے میں اختلاف و نزاع ہو یا نہ ہو صحیح مسلک جس پر عام مسلمانوں کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص نے مال لوٹنے کی غرض سے قتل وغارت گری شروع تو وہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں محارب ڈاکو لٹیرے کہے جائیں گے جس طرح کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والے کفار کو حربی کہا جاتا ہے خواہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں اور کسی طرح بھی لڑیں خواہ تلوار اور نیزوں سے یا پتھر اور لاٹھیوں سے کافروں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کی تو وہ حربی ہوں گے اور مسلمان مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے۔

وہ لوگ جو پر اسرار اور مخفی طریقوں سے قتل کرتے ہیں اور مال لینے کے لئے جانیں لیتے ہیں مثلاً

دکانیں، مسافر خانے راستوں میں مسافروں کے نام سے بنوا کر ان میں مسافروں کو ٹھہراتے ہیں جب کوئی مسافر ہتھے چڑھ جاتا ہے اوران لوگوں میں تنہا پھنس جاتا ہے تو اُسے قتل کر کے اس کا سارا مال لے لیا جاتا ہے یا بعض لوگوں کا پیشہ ہوتا ہے کہ طبیب ڈاکٹر کو اُجرت دے کر اپنے گھر لے آتے ہیں اور موقع پا کر اُسے قتل کر دیتے ہیں اوراس کا مال وغیرہ لوٹ لیتے ہیں اور مکر وفریب سے لوٹ لیتے ہیں اور جب یہ مال لوٹ لیا گیا تو اب اُن کو محارب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ یا ان پر قود کا حکم جاری ہوگا؟ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ محارب ہوگا کیونکہ حیلہ سے قتل کرنا اور کھلے طور پر قتل کرنے سے زیادہ مضرت رساں اور زیادہ خطرناک ہوتا ہے کھلے طور پر قتل کرنے والے سے بچاؤ اور حفاظت کی جاسکتی ہے لیکن حیلہ اور دھوکہ سے قتل کرنے والے سے حفاظت و بچاؤ مشکل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ محارب اُسے کہیں گے جو کھلے طور پر قتل کرنے پر اُتر آئے اور پھر یہ کہ اس دھوکہ باز حیلہ ساز کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے ہاتھ میں ہے مگر پہلا قول اُصولِ شریعت کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اس کا نقصان اور ضرر بہت سخت ہوا کرتا ہے بمقابلہ محارب کے۔

اگر کوئی شخص سلطان ﴿حاکمِ وقت﴾ کو قتل کر دے تو اُس کا کیا حکم ہے؟ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے مثلاً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو اُن کا حکم محاربین کا ہوگا؟ ان پر حد جاری ہوگی یا ان کا معاملہ اولیاء الدم ﴿مقتول کے ورثا﴾ کے ہاتھ میں ہوگا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ اس لئے کہ ایسے لوگوں کو قتل کرنے میں عام فساد کا اندیشہ ہے۔

باب 12 (Chapter) کے مضامین

سلطان کو قتل کرنے والے محارب ہوں گے جن پر حد جاری کی جائے گی یا ان کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے اختیار میں ہوگا؟ جب سلطان ﴿حاکمِ وقت﴾ یا اُس کا نائب حد

دکانیں، مسافرخانے راستوں میں مسافروں کے نام سے بنوا کران میں مسافروں کوٹھہراتے ہیں جب کوئی مسافر ہتھے چڑھ جاتا ہےاوران لوگوں میں تنہا پھنس جاتا ہےتو اُسے قتل کر کےاس کا سارامال لے لیاجاتا ہے یا بعض لوگوں کا پیشہ ہوتا ہے کہ طبیب ڈاکٹر کواُجرت دے کر اپنے گھرلے آتے ہیں اور موقع پاکر اُسے قتل کردیتے ہیں اوراس کا مال وغیرہ لوٹ لیتے ہیں اور مکروفریب سے لوٹ لیتے ہیں اور جب یہ مال لوٹ لیا گیا تو اب اُن کو محارب سمجھا جائے گا یانہیں؟ یا ان پرقود کا حکم جاری ہوگا؟ اس میں فقہاء کے دوقول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ محارب ہوگا کیونکہ حیلہ سے قتل کرنا اور کھلے طور پر قتل کرنے سے زیادہ مضرت رساں اور زیادہ خطرناک ہوتا ہے کھلے طور پر قتل کرنے والے سے بچاؤ اور حفاظت کی جاسکتی ہے لیکن حیلہ اوردھوکہ سے قتل کرنے والے سے حفاظت وبچاؤ مشکل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ محارب اُسے کہیں گے جو کھلے طور پر قتل کرنے پر اُتر آئے اور پھر یہ کہ اس دھوکہ باز حیلہ ساز کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے ہاتھ میں ہے مگر پہلا قول اُصولِ شریعت کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اس کا نقصان اور ضرر بہت سخت ہوا کرتا ہے بمقابلہ محارب کے۔

اگر کوئی شخص سلطان ﴿حاکمِ وقت﴾ کوقتل کردے تو اُس کا کیا حکم ہے؟ فقہاء کااس میں اختلاف ہے مثلاً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوقتل کیا گیا تو اُن کا حکم محاربین کا ہوگا؟ ان پر حد جاری ہوگی یا ان کا معاملہ اولیاءالدم ﴿مقتول کے ورثا﴾ کے ہاتھ میں ہوگا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ اس لئے کہ ایسے لوگوں کوقتل کرنے میں عام فساد کا اندیشہ ہے۔

باب 12 (Chapter) کے مضامین

سلطان کوقتل کرنے والے محارب ہوں گے جن پر حد جاری کی جائے گی یا ان کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے اختیار میں ہوگا؟ جب سلطان ﴿حاکمِ وقت﴾ یا اُس کا نائب حد

جاری کرنے کے لئے قاتل کو طلب کرے اور اس کے قبیلہ اور خاندان کے لوگ اس کی حمایت کریں اور لڑنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوں تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عام مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ ان سے قتال و جنگ کریں یہاں تک کہ مسلمان اس پر قابو پالیں۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جبکہ ان پر قدرت و قابو پا سکیں۔ جب سلطان یا نائب سلطان اور حاکم بغیر کسی قسم کی زیادتی کے قاتلینِ سلطان پر حد جاری کرنا چاہیں اور اُنہیں حاضر ہونے کا حکم دیں اور دوسرے لوگ ان کی حمایت و طرفداری کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو عام مسلمانوں پر واجب و فرض ہے کہ ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال اور جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں یہاں تکہ کہ مسلمان ان سب پر قابو پالیں ﴿اور﴾ تمام علماء امت کا اس پر اتفاق ہے۔

اور اگر قتل کے بغیر وہ اطاعت قبول نہیں کرتے اور اس کی نوبت ہی آ جائے تو یہ بھی کر گذریں اور پورا پورا مقابلہ کریں، ان کو قتل کریں ﴿اور اُن﴾ سب کو قتل کیا جائے اور جیسے بھی ممکن ہو اُن کی گردنیں اُڑا دیں اور جو بھی اُن کی حمایت اور اعانت و امداد کریں اُنہیں ﴿بھی﴾ قتل کرنا شروع کر دیں۔ یہ قتال و جنگ ہے اور وہ حد جاری کرنے کا مسئلہ ہے۔ شرائع اسلام کا مقابلہ کرنے والوں کا مسئلہ زیادہ اہم اور زیادہ مؤکد ﴿ضروری﴾ ہے۔ یہ لوگ گروہ بندی اور جتھہ سازی میں اس لئے مشغول ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو خراب کریں، لوگوں کا مال لوٹیں، زراعت اور نسل انسانی کو ہلاک کریں۔ ان کا مقصود یہ نہیں کہ دین کو قائم کریں اور ملک و ملت کی خدمت کریں۔ ان لوگوں کا وہی حکم ہے جو محاربین کا ہے، جو کسی قلعے یا کسی غار یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی وادی وغیرہ میں پناہ لے کر گذرنے والوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، راہزنی کرتے ہیں۔ جب انہیں ولی الامر اور حاکم کی فوج کہتی ہے کہ اطاعت کرلو اور توبہ کرو، معافی مانگو اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ، حد قائم و جاری کرنے میں سلطان، ولی الامر اور حاکم کی اطاعت کرو، تو یہ لوگ قتل و جنگ شروع کر دیتے ہیں اور مدافعت پر اُتر آتے ہیں۔ ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہے جو حاجیوں وغیرہ کو راستوں میں لوٹتے ہیں اور ان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، راہزنی کرتے ہیں۔

یا اُن لوگوں کا سا ہے جو پہاڑوں وغیرہ میں چھپے رہتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں یا غاروں میں راہزنی ڈکیتی کی غرض سے چھپ کر بیٹھتے ہیں۔ جیسے وہ گروہ جو قطع طریق اور راہزنی کی غرض سے شام وعراق کے درمیان چھپے بیٹھے ہیں لیکن پھر بھی ان لوگوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال ایسا نہیں ہے جیسا کفار کے مقابلہ میں جنگ وقتال ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ کفار نہیں ہیں، ان کا مال نہ لوٹا جائے جب تک کہ وہ ناحق نہ لوٹیں۔ اگر وہ لوگ لوٹیں تو ان پر ضمان لازم آئے گا اور اسی قدر ان کا مال لیا جائے گا جس قدر انہوں نے لوٹا ہے، اگرچہ معین طور پر لوٹنے والے ہاتھ نہ آئیں۔ اگر لوٹنے والے متعین طور پر معلوم ہو جائیں کہ فلاں شخص نے لوٹا ہے تو اصل لوٹنے والا اور اُس کی مدد کرنے والے، اُس کے حامی سب برابر ہیں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ لیکن جب متعین طور پر ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص ہی نے مال لوٹا ہے تو اس پر ضمان لازم ہوگا اور جو کچھ لوٹا گیا ہے اُن کے مالداروں پر لادا جائے گا۔ اگر مال وغیرہ اُن سے حاصل کرنا مشکل ودشوار ہے تو مصالح مسلمین کے لئے جو گروہ قتل وجنگ میں مصروف ہے ان کا رزق اور روزینہ مقرر کر دیا جائے کیونکہ یہ مقابلہ اور جنگ اقامتِ حدود، حد جاری کرنے اور زمین میں فساد روکنے کی غرض سے ہے۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی سخت مجروح ﴿زخمی﴾ ہو جائے تو اُس کا علاج کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اگر وہ لوگ بھاگ جائیں اور عوام الناس اُن کے شر سے محفوظ ہو جائیں تو ان کا تعاقب اور پیچھا نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کسی پر حد جاری کرنا واجب ہے یا یہ کہ اُس کے بھاگنے سے خطرہ ہے تو تعاقب اور پیچھا کرنا لازمی وضروری ہے۔

اور جو لوگ ان میں سے اسیر وقید ہوئے ہیں اُن پر حد جاری کی جائے، جیسی دوسروں پر جاری کی گئی ہے۔ بعض فقہاء نے اس سے زیادہ سختی کی ہے کہ مال غنیمت اُن سے لیا جائے اور اُس کا خمس الگ نکالا جائے۔ لیکن اکثر فقہاء اس کے خلاف ہیں۔ لیکن اگر ان لوگوں نے کسی دوسری مملکت کی پناہ لی جو شریعت اسلامیہ سے خارج ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کی اعانت وامداد کی ہے تو بوجہ اس کے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال کیا ہے، ان کو قتل کیا جائے گا۔

لیکن اگر ایسے لوگ ہیں کہ ڈکیتی، راہزنی نہیں کرتے، بلکہ قافلوں کی پاسبانی اور نگہبانی کے معاوضہ میں بطور خراج وٹیکس کے مقررہ رقم وصول کرتے ہیں جو مسافروں، جانوروں اور اونٹوں وغیرہ پر لیتے ہیں تو اُن لوگوں کا معاملہ چنگی وصول کرنے والوں جیسا ہوگا۔ اور چنگی وصول کرنے والوں جیسی عقوبت وسزا ہوگی۔ فقہاء نے ایسے لوگوں کو قتل کرنے کے جواز میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ قطاع الطریق، ڈاکو اور راہزن نہیں ہیں۔ لیکن ان کے بغیر بھی راستہ جاری اور چالو رہتا ہے۔ باوجود اس کے ایسے لوگ ''اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' ہوں گے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک غامدیہ عورت کے بارے میں فرمایا ہے:

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَلَهُ

اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی ٹیکس وصول کرنے والا ایسی توبہ کرلے تو اُس کی بھی مغفرت ہوجائے گی۔

اور ایسے لوگ جن کا مال برآمد کرتا ہے، اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت ان کی پشت پر ہے، اور محارب لوگوں سے لڑتی ہے، ان کے لئے مال قطعاً خرچ نہ کیا جائے جبکہ جنگ وقتل ان سے ممکن ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ حُرْمَتِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ

جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوا وہ شہید ہے، جو شخص اپنی جان بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے، جو شخص اپنا دین بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی حرمت بچانے میں قتل ہوا وہ بھی شہید ہے۔

اور فقہاء نے اس جگہ ''الصائل'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بلا تاویل، بلا ولایت وحکومت کے ظلم کرتا ہے۔

اور جب اس کا دفعیہ بغیر جنگ وقتال کے نہیں ہوسکتا تو ان سے ﴿شیخ صاحب کن سے کیونکہ یہاں فقرہ بن نہیں رہا﴾ جنگ وقتال کیا جائے ،اگر جنگ وقتال نہ کیا جائے ،اور کچھ مال وغیرہ دے کر انہیں راضی کرلیا جائے تاامکان مال دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔(شیخ صاحب کیا ڈاکو کو مال دیا جائے؟)

لیکن اگراس کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی حرمت پرحملہ کیا جائے،کسی کی محارم سے زنا کیا جائے، یا کسی عورت یا مملوک ﴿غلام﴾ لڑکے سے فجوروبدکاری کی جائے تو جان ومال سے تاامکان اس کی مدافعت کی جائے،اگرقتال وجنگ کرنا پڑے تو یہ بھی کرے،لیکن کسی طرح ایسے کام کی اجازت نہ دے۔ بخلاف مال دینے کے کہ یہ جائز ہے،کیونکہ مال کا خرچ کرنا جائز ہےاوراپنے ساتھ یا محارم عورتوں کے ساتھ فجوروبدکاری قطعاً جائزنہیں ہے۔

اور جب اس کا مقصود یہ ہو کہ کسی کو قتل کرے تو اس کے لئے اپنی جان کا بچانا لازم ہے اور یہ مدافعت اس پرواجب ہے،اس میں علماء کےاورامام احمد کےاور دوسروں کے مذہب میں دوقول ہیں۔ یہ اس وقت جبکہ لوگوں کا سلطان موجود ہولیکن اگرالعیاذ باللہ عظیم فتنہ ہو، مثلاً دومسلم سلطان باہم جنگ کرتے ہیں اور ملک کے لئے جنگ کررہے ہیں جبکہ ان میں سے ایک دوسرے کے ملک میں داخل ہو گیا ہےاور تلواریں باہم چل رہی ہیں،ایسے فتنہ کے وقت اپنی جان بچانا ضروری ہے۔تو ایسی صورت میں مسلمان کے لئے جائز ہے اپنی جان اُن کے حوالہ کردےاور دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں اور دوسروں کے مذہب میں اس بارے میں دوقول ہیں۔

جب مسلمان حاکم وقت! محارب ﴿لڑائی کرنے والے﴾ حرامیوں، چوروں اور راہزنوں پر کامیاب ہواور وہ مال وغیرہ لوٹ چکے ہیں تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں سے مال نکلوائے اور جن کا ہواُن کو دیدے۔اوران محاربین پرحد جاری کرے، یہی حال اور یہی حکم چوروں کا ہے،اگر یہ لوگ مال حاضر کرنے میں تامل کریں اور مال کا ثبوت سلطان کومل چکا ہےتو سلطان اُن کو اسیر وقید اور

حبس کرے اور مار مارے اور مناسب عقوبت (جیل و قید و بند) اور سزا دے یہاں تک کہ جو کچھ اُن لوگوں نے لیا ہے وہ حاضر کر دیں، یا کسی کو اپنا وکیل بنا دیں کہ وہ لا کر مال حاضر کر دیں، یا جہاں مال چھپایا ہے اُس کی خبر دے دیں۔ جیسے حق واجب اور قابل ادا کو نہ دینے والے کو عقوبت و سزا دی جاتی ہے اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں عورت (بیوی) کو مارنے کا حکم دیا، جب وہ مرد کا (خاوند کا) حق ادا نہ کرے، اور عورت (بیوی) مرد سے سرکشی کرے۔ اور عقوبت و سزا صاحب مال کا حق ہے۔ تو یہ لوگ بدرجہ اولیٰ عقوبت و سزا کے حقدار ہیں اور زیادہ سزاوار عقوبت و سزا ہیں۔ اور پھر بھی اگر صاحبِ مال ان کو بخش دے یا مصالحت کر کے عقوبت و سزا کو معاف کر دے تو یہ اُسے اختیار ہے۔ بخلاف حد قائم اور جاری کرنے کے کہ حد قائم اور جاری کرنا فرض ہے اور اُسے حد معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کسی حال میں حق نہیں کہ وہ حد قائم کرنے سے روکے۔ اور امام، حاکم کے لئے یہ جائز نہیں کہ صاحبِ مال کی بات کو پکڑے رہے کہ اس نے اپنا حق چھوڑ دیا، یا معاف کر دیا۔ اور اگر مال وہ خرد برد کر چکا ہے، یا کسی اور طریقہ سے تلف اور ضائع ہو گیا تو اس مال کی ضمانت لی جائے گی جس طرح کہ غاصب لوگوں سے ضمانت لی جاتی ہے۔ اور یہ قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے۔ اور جب تک اُسے عسرت و تنگی ہے آسانی اور سہولت ملنے تک مہلت دی جائے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے عزم اور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں یہ ضمانت صرف آسانی تک ہو گی۔ اور یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے، اور سلطان کے لئے جائز نہیں کہ مال کے مالکوں سے ان محاربین ﴿لڑائی کرنے والوں﴾ کے مقابلہ کے لئے عوض کچھ لے، سلطان کو اپنے لئے بھی لینا جائز نہیں، نہ لشکر اور فوج کے لئے کچھ لینا جائز ہے۔ بلکہ اُن کا مقابلہ کرنا جہاد ہے۔ اور جہاد و غزوات کیلئے جہاں سے اُن کا خرچ دیا جاتا ہے وہاں سے اُن کا خرچ بھی دے۔ اگر ان مجاہدین کو زمینیں دی گئی ہیں، یا حکومت کی جانب سے انہیں اتنا مل رہا ہے کہ اُن کے لئے کافی ہے تو بس کرنا ﴿یہی کافی﴾ ہے۔ اور اگر کافی نہیں ہے تو مصالحتِ قوم کے لئے جو صدقات وغیرہ جمع ہیں اُس میں

سے بقدر کفایت ان کو کچھ دے دے کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اگر مسافر پکڑے گئے ہیں اور ان پر زکوٰۃ باقی ہے، مثلاً وہ تاجر ہیں اور چوروں کے نرغے میں پھنس گئے ہیں تو امام اور حاکم ان سے مال کی زکوٰۃ ضرور وصول کرے۔ اور اس زکوٰۃ کے مال کو اس جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرے جس طرح کہ محارب لوگوں کے مقابلہ میں لڑنے والوں کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔

اور اگر یہ گروہ باشوکت وعظمت اور قوی ہے جن کی تالیف قلوب ضروری ہے تو امام ﴿یعنی گورنر﴾ وحاکمِ ﴿وقت﴾ مال فئے اور جو مصالح معین کے لئے جمع ہے اس میں سے اور زکوٰۃ میں سے بعض رؤساء اور سرداروں کو دیدے تاکہ وہ باقی دوسروں ﴿سرکشوں﴾ کو حاضر کریں۔ یا یہ کہ وہ خود شرارت اور سرکشی چھوڑ دیں اور باقی میں ان لوگوں کا زور کم ہو جائے تو یہ اور اس جیسا کام کرنا امام ﴿یعنی گورنر﴾ وحاکمِ ﴿وقت﴾ کے لئے جائز ہے۔ اور یہ لوگ مؤلفۃ القلوب میں شمار کئے جائیں گے۔ اور امام احمد اور بہت سے ائمہ نے بھی یہی کہا ہے اور ظاہر کتاب وسنت اور اصول شریعت بھی یہی ہے۔

اور امام ﴿یعنی گورنر﴾ وحاکمِ ﴿وقت﴾ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اُن چوروں، راہزنوں اور ڈاکوؤں کے مقابلہ میں نہ بھیجے جو ضعیف اور کمزور ہوں۔ اور نہ ایسے لوگوں کو بھیجے جو مسافر ہیں اور پکڑے گئے ہیں یا تاجر وسوداگر اور مال دار ہیں ان سے تو مال وغیرہ وصول کر لیا جائے۔ بلکہ قوی و مضبوط اور امین لوگوں کو بھیجے مگر ہاں جبکہ قوی اور مضبوط اور امین آدمیوں کا ملنا دشوار ہو تو اس صورت میں کوشش کرے اور امثل فالامثل کو بھیجے۔

بعض نائبین سلطان ﴿وزیراعظم، گورنر اور وزراء وغیرہ﴾، روسأ ﴿بڑے بڑے جاگیردار، چوہدری اور خان﴾ و ﴿اعلیٰ سول وپولیس﴾ حکام اور سردار وسالار ﴿یعنی فوجی حکام﴾ ظاہر وباطن میں حرامی ﴿اسمگلروں﴾ چوروں، ڈاکوؤں اور راہزنوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ظاہر یا باطن میں ان کو شہہ دیتے ہیں۔ جو مال حرامی ﴿اسمگلر﴾ چور، ڈاکو اور راہزن لوٹتے ہیں اس میں ان کا حصہ ہوتا

ہے۔ یہ لوگ ماخوذ ین ﴿جن کا مال لوٹا گیا ہے اُن﴾ کو کچھ مال دے کر راضی کر لیتے ہیں اور بوجہ مجبوری وہ اُسے منظور بھی کر لیتے ہیں ﴿لیکن﴾ یہ ایک ایسا عظیم ترین جرم ہے کہ حرامیوں چوروں، ڈاکوؤں راہزنوں کے مقدم ﴿یعنی پیشوا﴾ اور سردار سے بڑھ کر ہے کیونکہ اُن کی مدافعت ممکن ہے اور اس ﴿حاکم و بیوروکریٹ﴾ کی مدافعت نہیں ہوسکتی۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق ہی کہا جائے گا کہ جو اُن کی مدد و معاونت کرتا ہے وہ عقوبت وسزا کا مستحق ہے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں تو اُن کو قتل کیا جائے۔ یہی قول سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور اکثر اہل علم کا ہے۔ اگر یہ لوگ مال ﴿لے﴾ لیں تو سیدھا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں اور مال لوٹیں تو اُنہیں قتل کیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور قتل کر دیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض کا قول ہے قتل اور سولی پر لٹکانے میں اُسے اختیار ہے کیونکہ اگر چہ اس ﴿بیوروکریٹ﴾ نے اس غارت گری اور لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا اور نہ اسکی اجازت دی لیکن جب اُن ﴿دہشت گردوں اور ڈاکوؤں﴾ کو پکڑا گیا اور ان پر قدرت پالی گئی تو اُس وقت وہ ﴿بیوروکریٹ﴾ تقسیم مال میں شریک تھا اور بعض حقوق اور حدود کو اس نے بیکار کر دیا۔ جو شخص ﴿یعنی حاکم، جاگیردار، بیوروکریٹ، اعلیٰ سول، پولیس یا فوجی حکام یا کوئی قاضی و جج﴾ محارب ﴿لڑائی کرنے والے، دہشتگرد﴾، چور یا قاتل وغیرہ کو جس پر حد جاری کرنا واجب ہے اللہ اور بندے کا حق ادا کرنا فرض ہے اور بلا عدوان زیادتی کے پورا پورا حق دیا جاسکتا ہے لیکن یہ ﴿صاحب﴾ ان کو پناہ دیتا ہے اس لئے کہ وہ مجرم ہے اور اُس کا شریک ہے جس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدَثًا۔ (رواہ مسلم)

اللہ نے اس ﴿شخص﴾ پر لعنت بھیجی ہے جو جرم و گناہ کرے یا مجرم گنہگار کو پناہ دے۔

جب یہ ظاہر اور ثابت ہوجائے کہ فلاں آدمی نے محدث ﴿یعنی مجرم﴾ کو پناہ دی ہے تو اُس سے

مطالبہ کیا جائے کہ وہ مجرم کو حاضر کرے یا اُس کی خبر دے کہ فلاں جگہ فلاں جگہ ومقام پر ہے۔ اگر وہ حاضر کردے یا خبر اور اطلاع دیدے تو ٹھیک وگرنہ اُسے حبس کی سزا دی جائے، اُسے مارا پیٹا جائے، بار بار پیٹا جائے یہاں تک کہ اصل مجرم پر قدرت وقابو حاصل ہو جائے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اداءِ مالِ واجب سے روکنے والے اور نہ دینے والے کو عتاب وسزا دی جائے۔ پس جن لوگوں کا حاضر کرنا ضروری اور واجب ہے اور جنہوں نے مال لوٹا ہے اور اس کا واپس کرنا اور دینا ضروری ہے اور اس سے وہ ﴿حاکم، بیوروکریٹ، جج یا جاگیردار﴾ منع کرتا ہے یا روکتا ہے تو ایسے شخص کو عقوبت وسزا دی جائے۔

اگر کوئی شخص مال حق ومطلوب یا آدمی حق مطلوب کو جانتا ہے لیکن اسے روکتا اور چھپاتا نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مال مطلوب اور شخص مطلوب کا پتہ بتلا دے کیونکہ اس کے لئے اس کا چھپانا قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کا تعاون ہے اور نیکی وتقویٰ کا تعاون واجب ہے بخلاف اس کے کہ کوئی جان ومال بطال ﴿ ﴾ طریقہ پر مطلوب ہو تو اس کا بتلانا اور اس کی خبر دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ یہ اثم وعدوان ﴿گناہ اور فسق وفجور﴾ کا تعاون ہے بلکہ اس کام کی مدافعت ﴿یعنی اس سے روکنا اور رُکنا﴾ واجب ہے کیونکہ مظلوم کی نصرت واعانت واجب ہے جیسا کہ صحیحین ﴿یعنی بخاری ومسلم﴾ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوْمًا قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْصُرُ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ اَنْصُرُ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُہٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِکَ نَصْرُکَ اِیَّاہُ (رواہ فی الصحیحین)

تم اپنے بھائی ظالم کی مدد کرو یا مظلوم کی مدد کرو۔ میں نہ کہا یارسول اللہ مظلوم کی امداد تو ٹھیک ہے ظالم کی امداد ہم کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے ظلم سے روکو یہ تمہارے بھائی ظالم کی مدد ہے۔

اور صحیحین یعنی (بخاری ومسلم) میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے ہم کو سات چیزوں کا حکم فرمایا اور سات چیزوں سے ہم کو منع فرمایا۔ ہم کو حکم دیا کہ ہم مریض کی عیادت کریں، جنازے میں شرکت کریں، چھینک کا جواب دیں، قسم کھائی ہو تو اُسے پورا کریں، کوئی دعوت دے تو اسے قبول کریں اور مظلوم کی نصرت و امداد کریں۔ اور ہمیں منع کیا ہے سونے کی انگوٹھی پہننے سے، چاندی کے برتن میں پینے، میاثرہ، ریشم، قسی، دیباج اور استبراق کے پہننے سے۔

پس اگر یہ جاننے والا جسے ٹھکانہ اور پتہ معلوم ہو اور وہ اُس کا ٹھکانہ اور پتہ بتلانے سے انکار کرتا ہے تو اُسے عقوبت و سزا دینا جائز ہے خواہ سزا حبس ہو یا کوئی دوسری سزا یہاں تک کہ وہ اُس کا پتہ بتلا دے کیونکہ حق واجب سے وہ انکار کرتا ہے جس میں کسی کی نیابت نہیں چل سکتی تو اُسے عقوبت و سزا دی جائے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

اور اُسے عقوبت و سزا دینا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معلوم اور ثابت نہ ہو جائے کہ یہ جانتا ہے اور ٹھکانے کی وہ خبر رکھتا ہے۔ اور یہ حکم تمام حکام کے لئے ضروری ہے، والی ﴿یعنی گورنر﴾ ہو، یا قاضی، یا دوسرا کوئی ﴿سول، پولیس، فوجی افسر وغیرہ﴾ ہو، سب پر لازم ہے کہ واجب کو چھپانے، قول و فعل سے روکنے والے کی تحقیق کریں۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ تم پر حق اور واجب تھا اور اس پر نہیں تھا۔ نہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جائے جیسا کہ اس آیت کے اندر وارد ہے:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَىٰ. (النجم ع3)

کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بار اپنی گردن پر نہیں لے گا۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلا لَا يَجْنٰى جَانٌ اِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ .

آگاہ رہو کہ کوئی بھی مجرم گناہ نہیں کرتا مگر اپنی جان پر۔

جیسے کہ غیر واجب الادا مال کسی سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اُس کا وکیل ہے نہ ضامن اور نہ ہی مال اُس کے پاس ہے۔ یا یہ کہ کسی کو قرابت داری یا پڑوسی کے جرم میں عقوبت و سزا دی جائے ﴿جس طرح

آجکل پاکستانی حکام و پولیس کر رہی ہے ﴾۔ حالانکہ وہ خود کسی واجب کے ترک کرنے کا مجرم نہیں نہ اُس نے کوئی حرام کام کیا ہے۔ عقوبت وسزا اُس کو دی جائے جو اُس کا مستحق ہے جبکہ اُسے ظالم کا ٹھکانہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں چھپا ہے؟ اس کا اُسے علم نہیں تو عقوبت وسزا قطعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر اُس کا پتہ اُسے معلوم ہے تو اُس پر حق ہے کہ وہ بتادے اور ولی ﴿ قاضی وجج یا افسرِ اعلیٰ ﴾ اور حاکم کا فرض ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اُسے منوائے یا جہاں مال رکھا ہے، جس سے مستحقین کے حقوق وابستہ ہیں اُس مقام کو وہ جانتا ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ بتادے۔

یہ اعانت ونصرت کتاب وسنت کی رو سے اُس پر واجب ہے اور اجماع اُمت سے اس پر واجب ہے۔

اگر یہ اس لئے بچتا اور رکتا یا انکار کرتا ہے کہ اُس سے ڈرتا ہے یا ظالم کی اعانت کی غرض سے کہ اُس کی حمایت مقصود ہے اس لئے بتلانے سے انکار کرتا ہے جیسا کہ اہل عصبیت ایک دوسرے کے لئے کرتے رہتے ہیں یا مظلوم سے عداوت ودشمنی ہے اس لئے بتانے سے انکار کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِ مَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى.

(مائدۃ ع1)

اور لوگوں کی عداوت تمہیں اس جرم کا باعث نہ ہو کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے سے اعراض کرتا ہے یا عدل وانصاف سے اعراض کرتا ہے یا جبن ﴿ کم ہمتی ﴾ و بزدلی اور فشل کی وجہ سے یا خذلان دین کی غرض سے اجتناب کرتا ہے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس کے دین اور اس کی کتاب کے تارک کیا کرتے ہیں۔ جب ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اٹھو چلو اللہ کی راہ میں جہاد کرو تو وہ زمین پر چپک کر رہ جاتے ہیں۔ بہر تقدیر ایسے لوگ عقوبت وسزا کے مستحق ہیں اور تمام علماء اس پر متفق ہیں۔

جو لوگ اس راہ پر گامزن ہیں وہ حدودِ الٰہی کو معطل و بیکار کر رہے ہیں اور اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کر رہے ہیں، اور ﴿انہوں نے﴾ اپنی قوت و طاقت کو ضعیف کر رکھا ہے، یہ اُس شخص کے مشابہہ ہیں جس کے پاس کسی ظالم و باطل کا مال ہے اور وہ عادل حکمران کو دینے سے انکار کرتا ہے۔ عادل حکمران اپنا دینی فرض ادا کرنا چاہتا ہے، اُس پر واجب نان ونفقہ ہے اُسے ادا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اہل و عیال، اقرباء اور غلاموں، چوپایوں، قریب کے رشتہ داروں پر جن کا نان ونفقہ اُس پر واجب ہے۔ اور مثلاً قاتل کے رشتہ داروں پر دیت واجب ہے، اُسے وصول کرنا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے حقوق پر عادل حکمران خرچ کرنا چاہتا ہے اور یہ ﴿شخص﴾ اُس سے منع کرتا ہے، روکتا ہے۔ پس اس قسم کی تعزیرو عقوبت اُس شخص کو دی جائے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے پاس ایسا مال یا جان موجود ہے جس کا دینا اور عادل حکمران کے سپرد کرنا ضروری ہے لیکن وہ نہیں دیتا اور حاضر نہیں کرتا جیسے کہ قطاع الطریق ﴿یعنی﴾ راہزن، ڈاکو اور چور آپس میں ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کیلئے یہ عقوبت وسزا ہے اور عقوبت وسزا اُن لوگوں کیلئے ہے جن کے متعلق معلوم اور ثابت ہو کہ وہ اس قسم کے مال کو یا جان کو وہ جانتے ہیں کہ کہاں رکھا ہوا ہے اور کہاں چھپا ہوا ہے؟

لیکن اگر وہ اس لئے خبر نہیں دیتا یا حاضر نہیں کرتا کہ خود طالب اس پر تعدی اور ظلم کرے گا تو ایسا شخص محسن ہوگا اور وہ نیک کام کر رہا ہے لیکن اس کا امتیاز مشکل اور دشوار ہے کہ ناجائز حمایت کون سی ہے اور جو ظلم و تعدی سے بچنے کے لئے حمایت کی جاتی ہے وہ کونسی ہے؟ اس میں شبہ اور شہوت دونوں جمع ہوتے ہیں اور دونوں کا امکان موجود ہے۔ اس وقت حاکم کا فرض ہے کہ حق و باطل میں امتیاز حاصل کرے۔ اکثر ایسا روسا ﴿سرداروں﴾، دیہات اور شہر کے امراء میں ہوتا ہے۔ جب کوئی پناہ گیر ان کے پاس پہنچتا ہے اور پناہ مانگتا ہے یا کوئی قرابت دار پناہ مانگتا ہے یا کوئی دوست واحباب میں سے پناہ چاہتا ہے تو اُن کی رگِ حمیت بھڑک اٹھتی ہے اور حمیت جاہلیہ اور اُوباش لوگوں میں عزت و رسوخ اس گناہ پر انہیں برانگیختہ اور آمادہ کر دیتا ہے اور وہ ان کی حمایت ونصرت کے لئے آستینیں چڑھا لیتے

ہیں۔ اگر چہ وہ ظالم اور مظلوم دونوں کے حقوق پامال کر رہے ہیں خصوصاً جبکہ مظلوم کوئی رئیس وامیر ہو۔ جواُن کے ہم پلہ ہو تو مستجیر و پناہ گیر کو سپرد کرنا اپنے لئے عار اور موجب غیرت سمجھتے ہیں اور اپنی ذلت و توہین تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھنا اور ایسا تصور کرنا علی الاطلاق محض جاہلیت ہے اور ایسے لوگ ہی دین و دنیا کے فساد اور تباہی و بربادی کا بڑے سے بڑا سبب ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ جاہلیت کی اکثر لڑائیاں اسی سبب سے ہوئی ہیں مثلاً ''حرب اللبسوس'' جو بنی بکر اور بنی تغلب میں ہوئی، اسی قسم کے تعصب اور اسی قسم کی عصبیت کی وجہ سے ہوئی ہے اور اسی قسم کی ''عصبیت'' جاہلیت تھی جس کی وجہ سے ترک اور تاتاری دارالسلام میں داخل ہوئے اور ماوراءالنہر اور خراسان وغیرہ کے سلاطین اور بادشاہوں پر غلبہ و اقتدار پایا۔ اور یہی عصبیت جاہلیہ تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے مسلمانوں کے ملک پر غلبہ واقتدار حاصل کیا اور ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور اس قسم کے طبقہ کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو شخص اللہ کے لئے اپنی جان کو ذلیل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے جو شخص حق وانصاف کرتا ہے اور اپنی جان کو ہیچ سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت واکرام سے نوازتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم الخلق وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔ اور جو شخص ظلم و جور کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتا ہے اور حق کو پامال کرتا ہے وہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل کرتا ہے وہ خود اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرتا ہے، اپنی جان کو رسوا کرتا ہے اور اپنی توہین خود کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر: ع:2)

جو شخص عزت کا خواہاں ہے تو عزت ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجُ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ .(منافقون ع1)

یہ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔ حالانکہ اصل عزت اللہ کی اور اس کی رسول کی اور مسلمانوں کی ہے مگر منافق

اس بات سے واقف نہیں۔

وَمِنَ النَّاسَ مَنْ يُّعْجِبُکَ قَوْلُهٗ فِی الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهُ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادُ ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهِ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمَ وَلَبِئْسَ الْمِهَادِ (بقرہ:ع:25)

اے پیغمبر! بعض آدمی بھی ایسے ہیں جن کی باتیں تم کو دُنیا کی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے دلی ارادے پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہیں اور وہ جب لوٹ کر جائیں تو ملک میں دوڑتے پھرتے ہیں تاکہ اس میں فساد پھیلائیں اور کھیتی باڑی کو اور آدمیوں اور جانوروں کی نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور ان کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے پس ایسے لوگوں کو جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پس واجب اور فرض ہے کہ جس کے پاس مستجیر اور پناہ گیر پناہ کیلئے آئے وہ دیکھ لے اور تحقیق کر لے کہ واقعی وہ مظلوم ہے۔ اگر وہ مظلوم ہے تو اُسے پناہ دے۔ اور مظلوم ہونا، صرف دعوے کرنے سے کہ میں مظلوم ہوں، ثابت نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ایک شخص ظالم ہوتا ہے اور وہ اپنے کو مظلوم بتاتا ہے اس لئے خصم ﴿یعنی وارثوں﴾ سے دریافت کرے، دوسروں ﴿لوگوں﴾ سے معلوم کرے اور پوری تحقیق کرے۔ اگر تحقیق سے ثابت ہو کہ واقعی وہ مجرم ہے، ظالم ہے تو حکومت کے سپرد کر دے۔ اور ظلم سے اُسے روکے۔ اخلاق اور نرمی سے سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائے اور اگر صلح ممکن ہو دونوں میں صلح و آشتی کرا دے۔ اگر عدل و انصاف کے ساتھ حکم و منصف کے ذریعہ فیصلہ ممکن ہو تو اسکی کوشش کی جائے۔ اگر یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے تو قوت و طاقت سے کام لے۔

اگر معاملہ ایسا ہے کہ دونوں فریق ظالم ہیں اور دونوں مظلوم بھی ہیں جس طرح کہ نفس پرست،

خواہشات کے پجاری ہوا کرتے ہیں، جیسے کہ قیس ویمن کے قبیلے۔ اور اکثر شہری اور دیہاتی دعویدار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یا دونوں فریق ظالم نہیں ہیں بلکہ کسی شبہ یا تاویل یا غلطی کی وجہ سے باہم اُلجھ گئے ہیں، اگر ایسا ہے تو اس کی اصلاح کرے یا حکم ﴿وجج﴾ بنا کر فیصلہ کرلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا فَاِنۡ بَّغَتۡ اَحۡدَاهُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰٓی اَمۡرِ اللّٰهِ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ٥ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ (حجرات: ع:1)

اور اگر تم مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کرادو۔ پھر ان میں ایک فرقہ اگر دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اُس سے تم لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع لائیں۔ پھر جب وہ رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو بے شک اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا خَیۡرَ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوَاهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍ بَیۡنَ النَّاسِ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذَالِکَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا .(نساء ع 17)

ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں مگر ہاں جو خیرات یا نیک کاموں میں یا لوگوں میں میل جول کی صلاح دے اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایسے نیک کام کرے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اور امام ابو داؤد اپنی سنن میں رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ بھی عصبیت جاہلیہ ہے کہ ایک شخص حق بات پر اپنی قوم اور قبیلے کی نصرت واعانت کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''۔ اور فرمایا:

وَلٰکِنْ مِنَ الْعَصَبِیَّۃِ اَنْ یَنْصُرُ الرَّجُلُ قَوْمَہُ فِی الْبَاطِلِ. (رواہ ابو داؤد)

عصبیت یہ ہے کہ آدمی باطل میں اپنی قوم کی اعانت وامداد کرے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خَیْرُکُمْ اَلدَّافِعُ عَنْ قَوْمِہٖ مَالَمْ یَاثِمْ .

تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی قوم کی مدافعت کرے اور اس میں وہ گنہگار نہ ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَنْصُرُ قَوْمَہُ بِالْبَاطِلِ کَبَعِیْرٍ تُرَدّیٰ فِیْ بِئْرٍ فَھُوَ یَجُرُّ بِذَنْبِہٖ.

جو شخص باطل پر اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ مثل اُس اونٹ کے ہے جو کنوئیں میں گر پڑا اور اپنی دم ہلا رہا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَمِعْتُمُوْہُ یَتَعَزّٰی بِعَزَاءِ الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَعِضُّوْہُ ھُنَّ اَبِیْہِ وَلَا تَکِنُوْا.

جس شخص کے متعلق تم سنو کہ اس نے جاہلیت کا جھنڈا بلند کیا ہے تو اُسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکو کہ وہ پھولنے پھلنے نہ پائے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ بات جو دعوتِ اسلام اور دعوتِ قرآن سے خارج ہے، اب خواہ وہ نص کے اعتبار سے ہو، شہر اور آبادی کے لحاظ سے ہو یا جنس اور قوم یا مذہب کے اعتبار سے ہو۔ یا کسی دوسرے اعتبار سے ہو، وہ جاہلیت ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ جاہلیت کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا ہے جیسا کہ وہ آدمی مہاجر اور انصار میں باہم لڑ پڑے تو مہاجر پکار اٹھا **یَا لِلْمُھَاجِرِیْن** ! اور انصاری

پکار اٹھا یَا لِلْاَنْصَارِا اوررسول اللہ ﷺ کو کہنا پڑا:

ءَابِدُعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهَرِ كُمْ .

کیاتم دعوائے جاہلیت لے کر کھڑے ہوگئے اور ابھی تو میں تمہاری پشت پر ہوں۔

اور آپ ﷺ ان پر سخت ناراض ہوئے اور غصہ کا اظہار فرمایا۔

باب 13 (Chapter) کے مضامین

چور کی چوری کی شہادت۔ یا اس کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو بلا تاخیر قید میں نہ رکھتے ہوئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔فدیہ وغیرہ لے کر نہ چھوڑا جائے۔

چور کا ہاتھ کاٹنا فرض ہے اور یہ کتاب اللہ، کتاب الرسول ﴿یعنی صحیح احادیث مبارکہ﴾ اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءٌ بِمَا كَسَبَ نَكَالاً مِنَ اللهِ وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْم وَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللهِ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللهَ غفور رحيم .(مائده. ع:6)

مسلمانو! مرد چوری کرے تو۔اور عورت چوری کرے تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ تعزیر اللہ کی جانب سے قرار پائی ہے اور اللہ زبردست واقف ہے تو جو اپنے قصور کے بعد توبہ کرلے اور سنوارے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

جب شہادت، گواہوں یا اُس ﴿چور﴾ کے اقرار سے چوری ثابت ہو جائے تو اُس پر حد جاری کرنے میں کسی قسم کی تاخیر جائز نہیں نہ اُسے قید میں رکھا جائے نہ کسی قسم کا فدیہ ﴿یعنی ضمانت یا ضمانت

قبل از گرفتاری کے مچلکے ﴿ لے کر اُسے چھوڑا جائے۔ اور خاص و معظم وقت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے کیونکہ حد قائم کرنا عبادات میں داخل ہے جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ عبادات میں داخل ہے۔ اور یہی سمجھا جائے کہ حد جاری کرنا بندوں کے حق میں ایک بہت بڑی رحمت و رافت ہے۔ پس والی ﴿یعنی جج﴾ اور حاکمِ ﴿وقت﴾ حد جاری کرنے میں سخت گیر ہونا چاہیئے کہ وہ کسی قسم کی رحمت و رافت سے کام نہ لے اور حد کو معطل نہ کرے۔ اور اس کا قصد و اِرادہ یہ ہونا چاہیئے کہ میں حد اس لئے جاری کر رہا ہوں کہ یہ اللہ کی مخلوق پر رحمت و رافت ہے اور منکرات ﴿برائیوں﴾ سے لوگوں کو روک رہا ہوں۔ غصہ کی آگ بجھانا، اللہ کی مخلوق پر اپنی بڑائی اور بلندی جتلانا مقصود نہ ہو، جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے کو ادب دیتا ہے، ادب سکھاتا ہے۔ اگر وہ اپنے لڑکے، لڑکی کی تادیب ﴿یعنی سرزنش﴾ سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے اور اُس کی ماں کے حوالہ کر دیتا ہے اور اس کی ماں رِقّتِ نفس اور رافتِ قلب کی وجہ سے ایسا برتاؤ کرتی ہے کہ لڑکا بالکل خراب ہو کر رہ جاتا ہے۔ باپ اُس کو ادب سکھاتا ہے، اُس کی اصلاح چاہتا ہے اور یہ عین رحمت و رافت ہوتی ہے، لڑکے کی اصلاح ہے۔ اس کی عین خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تادیب ﴿سرزنش﴾ ایسی ہو جائے کہ پھر کبھی وہ سر نہ اُٹھائے اور دوسری مرتبہ ادب سکھانے کی ضرورت نہ رہے۔

اور ﴿حد جاری کرنا﴾ بمنزلہ اُس طبیب کے ہے جو مریض کو کریہہ اور کڑوی دوا دیتا ہے۔ یا بمنزلہ اس عضو کے ہے جو سڑ رہا ہے اور اُسے کاٹنے سے وہ خود بچ جاتا ہے۔ یا بمنزلہ پچھنے لگانے کے ہے کہ رگوں کو اس لئے زخمی کیا جاتا ہے کہ اُسے آرام ملے۔ یا بمنزلہ فصد کھولنے کے ہے بلکہ بمنزلہ اُس انسان کے ہے جسے کریہہ اور کڑوی دوا پلانے کے لئے مشقت برداشت کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ مریض کو شفا اور آرام ملے اور اُسے راحت میسر آئے۔ یہی حال حدود جاری اور قائم کرنے کا ہے۔ محدود ﴿جس پر حد نافذ کی گئی اس﴾ کو راحت ملے، حدود مشروع اسی لئے کی گئی ہیں کہ محدود کو دنیا و عقبیٰ میں آرام و راحت میسر آئے۔

حدود جاری کرنے میں والی ﴿ قاضی وجج ﴾ اور حاکمِ ﴿ وقت ﴾ کی نیت، ارادہ اور قصد یہی ہونا چاہیئے کہ رعایا کی اصلاح ہو اور منکرات سے روکا جائے مخلوق اللہ کے لئے جلب منفعت اور دفع مضرت مقصود ہو اور ﴿ حد جاری کرنے والا ﴾ حق سبحانہ وتعالیٰ سے حدود قائم اور جاری کرنے میں اللہ کی رضا مندی ورضا جوئی اور وجہ اللہ کا قصد وارادہ رکھے، اس کے حکم کی اطاعت وپیروی کا قصد وارادہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے قلوب کو نرم کردے اور محدود ﴿ جس پر حد جاری کی گئی اس ﴾ کیلئے اسبابِ خیر جمع کر دے اس کے لئے جو عقوبت وسزا اور شرعی حد قائم کی گئی وہ اس کے لئے کافی ہو، وہ اس سے راضی رہے کہ اس کی تطہیر ہو رہی ہے ایسا سمجھنا اور اس طرح حد کا جاری اور نافذ ہونا اللہ کا عین فضل وکرم ہے۔

جب حد نافذ کرنے والے حاکم وقاضی یا جج کی نیت خراب ہو، اس کی غرض علواً اور بڑائی ہو اور وہ اپنی ریاست وحکومت ﴿ کرسئ صدارت وزارت یا چیف جسٹسی ﴾ قائم کرنا چاہے کہ لوگ اُسے بڑا سمجھیں، اُس کی اطاعت کے سامنے لوگ سربسجود ہو جائیں، اس کے قصد وارادہ کے بموجب مال دیں اور ہر طرح کا ایثار کریں تو معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ اس کے اصل مقصد سے بہت دور ہو جاتا ہے اور سراسر حد جاری کرنے کے مقصد میں وہ غلاف راہ اختیار کرتا ہے۔

اور روایت کی گئی ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلافت پر مامور ہونے سے پہلے مدینہ طیبہ میں ولید بن عبدالملک کے نائب ﴿ یعنی گورنر ﴾ تھے۔ رعایا اور عوام کی سیاست و اِصلاح بہت اچھی طرح کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف عراق سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ عراق میں یہ بڑا عذاب اور سختی دیکھ کر آیا ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ کے باشندوں کو اس نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا ''**كيف هيبة فيكم**''؟ اس کی ہیبت تم میں کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا: ان کی ہیبت کا کیا پوچھنا! ہم اُن کی طرف نگاہ بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ حجاج نے پوچھا ''**كيف محبتكم له**''؟ اُس سے تمھیں کیسی محبت ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: ''**هو احب الينا من اهلنا** '' وہ ہمیں ہمارے اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہیں۔ حجاج نے پوچھا ''**فكيف ادبه فيكم**'' وہ تمھیں ادب کیسے سکھاتے ہیں؟ تو اُنھوں نے

کہا تین کوڑوں سے لے کر دس کوڑوں تک ادب سکھانے کیلئے مارا کرتے ہیں۔ حجاج نے کہا یہ محبت، یہ ہیبت اور یہ ادب آسمان سے اُتری ہوئی ہے، اللہ کا حکم یہی ہے۔

جب ہاتھ کاٹا جائے تو فوراً گرم تیل میں سینک دیا جائے۔ اور مستحب یہ ہے کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے۔ اگر دوسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اور اگر تیسری مرتبہ چوری کرے تو صحابہ اور بعد کے علماء میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ میں بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ یہ قول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور مذہب شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول امام احمد رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ اُسے قید کر دیا جائے۔ اور یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور کوفیوں کا ہے۔ اور ایک قول امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے۔

ہاتھ اس وقت کاٹا جائے جبکہ چوری کا نصاب پورا ہو اور وہ ایک چوتھائی دینار یا تین درہم ہے۔ جمہور علماء اہل حجاز اور اہل حدیث کا یہی مسلک ہے۔ مثلاً امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ اور بعض علماء کا قول ہے: قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ایک دینار یا دس درہم ہے۔ اور صحیحین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مجن (ڈھال) کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

قطع سارقا فی مجن قیمته ثلاثة دراهم .(رواه مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی ایک چور کا ہاتھ کاٹا۔

اور اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَطْعُ الْيَدِ فِيْ رُبُعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا

چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں ہاتھ کاٹا جائے۔

مسلم کی روایت یہ ہے:

لَا تُقْطَعُ یَدُ السَّارِقِ اِلَّا فِیْ رُبُعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا

چور کا ہاتھ اُس وقت تک نہ کاٹا جائے جب تک کہ ربع ﴿1/4﴾ دینار یا زائد نہ چرائے

بخاری کی ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اِقْطَعُوْا فِیْ رُبُعِ دِیْنَارٍ. وَلَا تَقْطَعُوْا فِیْمَا دُوْنَ مِنْ ذَالِکَ

ربع (چوتھائی) دینار میں ہاتھ کاٹو، اس سے کم میں نہ کاٹو۔ (رواہ البخاری)

اس وقت ربع دینار کی قیمت تین درہم کے برابر ہوا کرتی تھی اور دینار کی قیمت بارہ درہم ہوا کرتی تھی۔

اور چور کو اس وقت تک چور نہیں کہا جاتا تھا کہ مال حفاظت میں رکھا ہوا نہ چرائے۔ جو مال کہ ضائع شدہ ہے، یا جنگل میں بلا احاطہ اور چار دیواری کے اس میں درخت لگے ہیں اور اس پر سے پھل پھول لئے جائیں یا جو چوپایہ بغیر چوپان کے ہو، اس کے مثل میں ہاتھ نہ کاٹا جائے لیکن لینے والے کے لئے تعزیر ضرور ہوگی۔ اور دو چند نقصانی دلوائی جائے گی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

اور اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ زیادتی کتنی دلوائی جائے۔ اور یہی قول امام احمد وغیرہ کا ہے۔ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:

لَا قَطْعَ فِیْ ثَمْرَۃٍ وَلَا کَثَرٍ (رواہ اھل السنن)

پھل میں اور پکی کھجور میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور عمرو بن شعیب والد سے، دادا سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے قبیلہ بنی مزینہ کے ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھتے سنا ہے: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جِئْتُ اَسْئَلُکَ عَنِ الضَّالَّۃِ مِنَ الْاِبِلِ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے گمشدہ اونٹ کے متعلق پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَعَھَا حِذَائُھَا وَ سِقَئُھَا تَاْکُلُ الشَّجَرَۃَ وَتَرِدُ الْمَاءِ فَدَعُھَا حَتّٰی یَاتِیُھَا بَاغِیُھَا.

اس کے ساتھ اس کے کھانے پینے کا سامان موجود ہے، درخت کھائے گا اور پانی پر اترے گا، اُسے چھوڑ دو تا کہ اس کو ڈھونڈنے والا اس تک آ جائے۔

اس نے کہا:

فَا الضَّالَةِ مِنَ الْغَنَمِ

گمشدہ بکری کے متعلق کیا ارشاد ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

لَکَ اَوْ لِاَخِیْکَ اَوْ لِلذِئْبِ تَجْمَعُهَا حَتّٰی یَاتِیُهَا بَاغِیُهَا

تیرے لئے ہوگا یا تیرے بھائی کیلئے یا بھیڑیئے کے لئے۔ اسے تم لے لو یہانتک کہ اس کا تلاش کرنے والا آ جائے۔

اس نے کہا:

فَالْحَرِیْسَةُ الَّتِیْ تُوْخَذُ مِنْ مَرَاتِعِهَا

حریسہ جو چرواہے سے لیا جائے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

فِهَا ثَمَنُهَا مَرَّتَیْنِ وَضَرْبُ نَکَالٍ وَمَا اُخَذَ مِنْ عَطْنِهِ فَفِیْهِ الْقَطْعُ اِذَا بَلَغَ مَا یُؤخَذُ مِن ذَالِکَ ثَمَنَ الْمِجَنّ

حریسہ میں دو چند قیمت اور تعزیر کی جائے اور جو اون اس سے لی جائے تو دیکھا جائے اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے۔

اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اگر پھل پھول لئے ہوں تو؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ مِنهَا بِفَمِهِ وَلَمْ یَتَّخِذْ خُبْنَةً فَلَیْسَ عَلَیْهِ شَیْئٌ وَّ مَنِ احْتَمَلَ فَعَلَیْهِ ثَمَنُهُ مَرَّتَیْنِ وَضَرْبُ نَکَالٍ. وَمَا اُخِذَ مِنْ اِجْرَانِهِ فَفِیْهِ الْقَطْعُ اِذَا بَلَغَ مَا یُؤخَذُ مِنْ ذَالِکَ ثَمَنُ الْمِجَنِّ وَ مَالَمْ یَبْلُغْ ثَمَنُ الْمِجَنِّ فَفِیْهِ غَرَامَةُ مِثْلَیْهِ وَ

جَلَدَاتُ نَكَالٍ (رواه اهل السنن)

جس شخص نے اس میں سے اپنے منہ سے لیا، اور خوشہ نہیں لیا تو اس پر کچھ نہیں اور اگر کچھ اپنے ہمراہ لے گیا تو دو چند قیمت اور تعزیر ہوگی۔ اور جو بڑا خوشہ لے گیا تو اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹا جائے۔ اور اگر ڈھال کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو دو چند نقصانی دلوائی جائے۔ اور اس پر کوڑوں کی تعزیر کی جائے۔

اور اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَيُسَ عَلَ الُمُنُتَهِبِ وَلا عَلَى الُمُخُتَلِسِ وَلا الُخَائِنِ قطعٌ

لوٹنے والے اور اُچکے اور خائن کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

جیب کترے، رومال اور آستینوں سے ﴿یعنی جیبوں سے مال و دولت﴾ لے جائیں تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے۔

باب 14 (Chapter) کے مضامین

زانی کی سزا۔ شادی شدہ زانی کو پتھروں سے رجم کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔

لواطت کی سزا، فاعل و مفعول دونوں کو قتل کیا جائے۔

شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے یہاں تک کہ وہ مر جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز بن مالک الاسلمی اور غامدیہ عورت اور بعض یہودیوں کو رجم کرایا تھا۔ اور آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء راشدین اور مسلمانوں نے زنا کی سزا میں رجم کیا ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ رجم سے پہلے سو کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں دو قول ہیں۔ اگر زانی شادی شدہ نہیں ہے تو کتاب اللہ سے ثابت ہے کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور سنت نبوی سے ثابت ہے کہ سو کوڑوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک

سال جلاوطن کیا جائے۔اگرچہ بعض علماءسال بھرجلاوطن کرناواجب نہیں کہتے۔

زانی پراس وقت تک حد قائم نہ کی جائے جب تک چار گواہوں کی گواہی اس پر نہ گذرے یا چار دفعہ خوداقرارنہ کرے۔اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔بعض علماء کہتے ہیں چاردفعہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے،ایک دفعہ اقرار کرلینا کافی ہے۔اگرکسی نے اقرار کر کے پھرانکار کردیا تو بعض علماء کا قول ہے کہ حد اس سے ساقط ہوجائے گی اور بعض کہتے ہیں حد ساقط نہیں ہوگی۔

اورشادی شدہ اس شخص کو کہیں گے جو آزاد، مکلّف ہواور صحیح نکاح سے اپنی بیوی سے جماع ووطی کر چکا ہو،اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اورجس سے جماع ووطی کی گئی ہے، مذکورہ صفات میں محصن کے مساوی ہے یانہیں،اس میں علماء کے دوقول ہیں،عورت مراہقہ ﴿ ﴾ ہو،اور بالغ مرد سے زنا کیا ہو۔یامردمراہق ﴿ ﴾ ہو اورعورت بالغہ ہے۔

اوریہی حکم ذمیوں کا ہے۔اگر وہ شادی شدہ ہوں تو اکثر علما کے نزدیک رجم کیا جائے گا۔مثلاً امام شافعی اورامام احمد رحمہما اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مسجد کے دروازے کے سامنے یہودیوں کورجم کرایا ہے۔اوراسلام میں یہ پہلا رجم تھا۔

اگرکوئی عورت حاملہ پائی گئی اوراس کا شوہرنہیں ہےاورنہ اس کا سیدوآقا ہے(یعنی وہ کسی کی لونڈی بھی نہیں)،اورحمل میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے،تو امام احمد وغیر کے مذہب میں اس کے بارے میں دوقول ہیں،ایک یہ کہ اس پرحد جاری نہیں جاسکتی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زبردستی اس سے زنا کیا گیا ہواور اس سے یہ حاملہ ہوگئی ہو۔یا اُسے اٹھا کر لے گئے ہوں،یا بیوی کے شبہ کی بنا پر جماع کیا گیا ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ایک قول یہ ہے کہ اس پرحد جاری ہوگی اور یہی قول خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔اوراصول شریعت کے موافق یہی ہے۔اور یہی مدینہ والوں کا مذہب ہے۔کیونکہ یہ شاذونادر احتمالات ہیں۔اورشاذونادراحتمالات کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی جیسے کہ اس نے اقرار کیا اوروہ اپنے

اقرار میں جھوٹا ہو۔ یا گواہوں کی گواہی جھوٹی ہو۔

لوطی اور لواطت کی سزا: بعض علماء کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر حد جاری ہوگی۔ اور جو زنا کی حد ہے وہ اس کی حد ہے۔ بعض کہتے ہیں لواطت (یعنی ہم جنس پرست جیسے لڑکے کے ساتھ دوسرا لڑکا، مرد کے ساتھ دوسرے مرد کے زنا) کی سزا زنا سے کم ہوگی۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ نیچے اور اوپر والے یعنی فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ کیونکہ سنن (نسائی و ابن ماجہ) میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ وَجَدُ تَمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ

جسے تم قوم لوط کا کام کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر کنوارا لوطی کسی عورت کے ساتھ پایا گیا تو اسے رجم کیا جائے گا۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے لیکن دوسرے صحابہ اس کے قتل میں مختلف ہیں۔ لیکن اس کی قسمیں بیان کرتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو جلانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور دوسرے صحابہ کہتے ہیں اسے قتل کیا جائے۔ بعض کہتے ہیں اس پر دیوار گرائی جائے کہ عمارت کے نیچے دب کر مر جائے۔ اور بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبودار اور خراب جگہ میں قید کیا جائے کہ وہ مر جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ آبادی میں سب سے اونچی دیوار اس پر سے اُسے گرایا جائے۔ اور پھر اوپر سے پتھر برسائے جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو سزا دی تھی۔ اور یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں مذکور ہے۔ اور دوسری روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ اسے رجم کیا جائے۔ اور اکثر سلف کا یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو رجم کیا اور زانی کی سزا رجم اس کی مشابہت کی بنا پر ہوئی ہے۔ اور فاعل و مفعول دونوں کو رجم کیا جائے۔ خواہ دونوں کے دونوں آزاد ہوں یا غلام۔ یا ایک دوسرے کا مملوک ہو۔ جب وہ بالغ

ہوں دونوں کی یہی سزا ہوگی۔لیکن اگر فاعل یا مفعول دونوں میں سے ایک نابالغ ہے تو اسے قتل سے کم سزا دی جائے گی۔اور بالغ کو قتل کیا جائے گا۔

باب 15 (Chapter) کے مضامین

شراب نوشی کی حد سنت نبوی اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے جو شراب پیئے اُسے کوڑے لگوانا چاہیئے۔پھر پیئے پھر کوڑے لگوانا چاہیئے۔نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شرابی کو بار بار کوڑے لگوائے۔اور آپ ﷺ کے خلفاء اور مسلمانوں کا اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔

شراب نوشی کی حد: شراب نوشی کی حد سنت نبوی اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔اہل سنن (یعنی امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ دونوں) نے مختلف وجوہ اور مختلف طریقوں سے روایتیں کی ہیں۔جن میں اس کی وضاحت کی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ الرَّابِعَةَ فَاقْتُلُوْهُ

جو شخص شراب پیئے، اُسے کوڑے لگاؤ۔پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ۔پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ۔پھر چوتھی مرتبہ پیئے تو اُسے قتل کر دو۔

نبی کریم ﷺ نے بہت سی مرتبہ شراب پینے والوں کو کوڑے لگانے کی سزا دی ہے۔اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں نے بھی کوڑوں کی سزا دی ہے، اور اسی بنا پر اکثر علماء کہتے ہیں کہ قتل کی سزا منسوخ ہو چکی ہے۔بعض کا قول ہے یہ سزا محکم ہے۔بعض کہتے ہیں قتل کرنا ایک تعزیر تھی۔اگر امام ضرورت سمجھے تو یہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ شراب نوشی کی سزا میں آپ ﷺ نے چالیس لکڑیاں اور

جوتے لگوائے ہیں۔اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے لگوائے ہیں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اسی کوڑے لگوائے ہیں۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی چالیس اور کبھی اسی کوڑے لگوائے ہیں۔اور اسی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ اسی کوڑے لگوانا واجب ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چالیس کوڑے لگوانا واجب ہے، اس سے زیادہ سزا امام کی رائے پر موقوف ہے جبکہ لوگ شراب کے عادی ہو گئے ہوں۔اور چالیس کوڑوں سے تنبیہ نہ ہوتی ہو، یا اس کے مثل کوئی اور وجہ ہو تو چالیس سے زیادہ اسی کوڑے لگوائیں۔اگر پینے والے کم ہیں یا اتفاقاً کسی نے پی لی ہے تو چالیس کوڑے کافی ہیں۔اور یہ قول زیادہ مناسب اور زیادہ اوفق ہے۔اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں شراب نوشی کے واقعات زیادہ آنے لگے تو انہوں نے سزا زیادہ کر دی۔بعض کو جلاوطن کیا۔بعض کا سر منڈوا کر ذلیل کیا۔تو یہ زجر و توبیخ کی مبالغہ آمیز سزا تھی۔اگر شرابی کو تعزیر چالیس کے بعد چالیس کوڑوں کے اوپر کرنی ہو تو اس کی روٹی بند کر دی جائے۔ اور اسے جلاوطن کیا جائے تو اچھا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ آپ کے بعض نائب شراب کی تعریف میں اشعار کہہ رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا۔

جس شراب کو نبی کریم ﷺ نے حرام فرمایا، اور جس کے پینے پر کوڑے لگوائے وہ ایسی شراب ہے جو نشہ لائے خواہ وہ کسی چیز سے بھی بنائی گئی ہو۔پھلوں سے بنائی گئی ہو جیسے انگور، کھجور اور انجیر وغیرہ یا اناج سے بنائی گئی ہو جیسے گندم اور ''جو'' وغیرہ سے۔یا پتلی بہنے والی چیزوں سے بنائی گئی ہو جیسے شہد وغیرہ۔یا جانوروں کے دودھ سے بنائی گئی ہو۔ہر قسم کی شراب اسی حرمت میں داخل ہے۔بلکہ رسول اللہ ﷺ پر تحریم شراب کے متعلق جب قرآن اُترا تو اُس وقت مدینہ طیبہ میں انگور کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔شام وغیرہ سے انگور آیا کرتے تھے۔عام طور پر عرب میں نبیذ تمر (یعنی کھجور) کی شراب ہوا

کرتی تھی۔ کھجور وغیرہ سے عرب شراب بنا لیتے تھے۔ اور عام طور پر جو سنت متواترہ اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز (خواہ چرس وافیون ہو یا ہیروئن، مارفین ہو یا کوکین۔ یا صمد بونڈ جسے ہیروئنچی سونگھ سونگھ کر نشہ کرتے ہیں) حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہر نشہ آور چیز کو جو عقل کو بیکار کر دے، حرام کر دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میٹھا نبیذ تمر (یعنی انگور کا شربت) پیا کرتے تھے اور اس کی ترکیب یہ تھی کہ کھجور یا انگور کو پانی میں ڈال دیا جاتا۔ اور نبیذ اس لئے پیا کرتے تھے کہ حجاز میں پانی عام طور پر کھاری ہوا کرتا ہے۔ نبیذ کا پینا نشہ آور ہو جانے سے پہلے جائز ہے۔ اور عام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اس لئے کہ اس میں نشہ نہیں ہے جیسے کہ انگور کا عصارہ نشہ آور ہونے سے پہلے پینا جائز ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے لکڑی کے برتنوں یا پکے قلعی والے (روغنی اور پیتل، سلور، اسٹیل وغیرہ کے) برتن میں نبیذ بنانا منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے برتنوں میں جو کچے ہوں اور جن کا منہ باندھا جائے اس میں نبیذ بنانے کا حکم فرمایا تھا۔ کیونکہ ان برتنوں میں اگر نشہ آور ہو جائے تو پتہ لگ جاتا ہے۔ اور پکے قلعی دار برتنوں میں پتہ نہیں چلتا۔ کچے برتن نشہ آور ہونے سے پھٹ جاتے ہیں اور قلعی دار نہیں پھٹتے۔ اور پینے والے کو دھوکہ ہو جاتا ہے۔

اور آپ ﷺ سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے قلعی دار پکے برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت ورخصت بعد میں دے دی تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

> نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْاِنْتِبَاذ فِي الْاَدْعِيته فَانْتَبِذُوْا وَلَا تَشْرَبُو الْمُسْكِرَ
>
> میں نے تمہیں قلعی دار برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کر دی تھی لیکن تم ان میں بناؤ نشہ آور ہو جائے تو مت پیو۔

اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء میں اختلاف رہا جن کو اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوا؛ یا جن کے نزدیک ان برتنوں میں نبیذ بنانا ثابت نہیں ہے، انہوں نے کہہ دیا کہ نبیذ ان برتنوں میں بنانا منع ہے۔

اور بعض جو اس ثبوت کے قائل تھے، اور سمجھ رہے تھے یہ منسوخ ہو چکا ہے، وہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔ جب فقہاء کے ایک گروہ نے سنا کہ بعض صحابہ نبیذ پیا کرتے تھے تو وہ یہ سمجھے کہ نشہ آور پیتے تھے۔ اور اس لئے انہوں نے مختلف قسم کی شربتیں پینے کی اجازت دے دی جو انگور اور کھجور وغیرہ سے نہ بنی تھی۔ اور نبیذ تمر (یعنی کھجور) اور کشمش کے عصارہ کی اجازت دے دی، جب تک کہ نشہ آور نہ ہو جائے۔ اور صواب وصحیح جس پر جمہور مسلمان متفق ہیں وہ یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر (یعنی شراب وغیرہ حرام) ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری ہو گی اگر چہ ایک قطرہ بھی پی لے۔ خواہ دوا کی حیثیت سے بھی کیوں نہ پیئے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر خمر (شراب) کے سوا کوئی دوا نہیں ہے تو (کیا کیا جائے) آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّهَا دَاءٌ وَلَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَاِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ اُمَّتِىْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْهَا

یہ بیماری ہے، دوا نہیں ہے اور میری اُمت کی شفاء حرام میں نہیں ہے۔

شراب خوار پر حد واجب ہو جاتی ہے جبکہ اس پر گواہ اُتریں یا شرابی خود شراب پینے کا اقرار کر لے۔ اگر خمر وشراب کی بد بو آئے یا لوگوں نے اُسے قے کرتے دیکھا یا اس کے مثل دوسرے آثار دیکھے جائیں تو کہا گیا ہے اس پر حد جاری نہیں ہو گی کیونکہ یہ احتمال ہے یہ خمر (شربت) نشہ آور نہ ہو یا لاعلمی سے اس نے (شراب) پی لی ہو یا زبردستی اُسے پلائی گئی ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ اسے کوڑے لگوائے جائیں گے جبکہ معلوم ہو جائے (کہ وہ شربت وشراب) نشہ آور تھی۔ اور یہ قول خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان سیدنا علی اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔ اور سنت نبوی ﷺ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور لوگوں کا تعامل (وعمل) بھی یہی ہے اور یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہے اور انہوں نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔

اور انگور اور کھجور کے پتوں کو پکا کر جو مشروب تیار کیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ اس کے پینے

والے کوکوڑے لگوائیں جائیں گے۔ یہ تو خمر وشراب سے بھی زیادہ خبیث ہوتا ہے کہ اس سے عقل اور مزاج دونوں خراب ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ اس سے خنثی بن جاتا ہے اور دیوثیت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور شراب زیادہ خراب اور خبیث اسی لئے ہے کہ اس سے مخاصمت (یعنی لڑائی) اور مقاتلت (یعنی قتل وغارت گری) ہوتی ہے۔ لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس طرح وہ اللہ کے ذکر سے روکتی ہے؛ نماز سے بھی روکتی ہے۔

بعض متاخرین فقہاء نے اس کی حد میں توقف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حد سے کم تعزیر کی جائے کیونکہ اس سے تغیر عقل کا گمان ہے اور یہ بمنزلہ بھنگ پینے کے ہے۔ اور متقدمین علماء سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ثابت نہیں ہے حالانکہ یہ گھاس اور پتے ایسے نہیں ہیں بلکہ اس کے کھانے والے شوق اور خواہش سے اُسے کھاتے ہیں اور یہ آرزو رکھتے ہیں کہ اور بھی ہوں تو کھالیں۔ جیسے شراب اور خمر کا شوق خواہش اور آرزو رکھتے ہیں اور اس کی وجہ سے اکثر ذکر الٰہی میں خلل آجاتا ہے۔ اور جب اس کی کثرت ہوتی ہے تو نماز میں بھی خلل واقع ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیوثیت، اور خنثی پن اور فسادِ مزاج، فسادِ عقل وغیرہ میں بھی اس سے خلل پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ جامد ہوں اور کھائے جاتے ہوں، شراب کی قسم سے نہ ہوں تو اس کے نجس ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس میں تین قول ہیں؛ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس ہے جیسے شراب نجس ہے۔ اور یہی قول صحیح ہے اور قابل اعتبار ہے۔ بعض کہتے ہیں: کیونکہ اس میں جمود ہے اس لئے نجس نہیں ہے۔ اور بعض نے جامد اور پتلا پن میں فرق کیا ہے۔ بہرحال! یہ بھی اس میں داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے کیونکہ لفظاً اور معنی یہ خمر شراب اور مسکر یعنی نشہ آور چیز ہے۔

سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں آپ دو قسم کی شراب کے متعلق فیصلہ دیجئے جسے ہم یمن میں تبع اور دانوں سے بناتے ہیں؛ تبع شہد سے بنتی ہے اور میزر ''جو'' وغیرہ (دانوں) سے بنتی ہے۔ جب اس میں

شدت پیدا ہو کر نشہ آ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نبی اکرم ﷺ جوامع الکلم تھے آپ نے فرمایا:

كل مسكر حرام. (بخاری و مسلم)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان من الحنطة خمرا و من الشعير خمرا و من الزبيب خمرا و من التمر خمرا و من العسل خمرا و انا انهى عن كل مسكر. **(رواه ابو داؤد وغيره)**

شراب گیہوں سے بنتی ہے، ''جو'' سے بنتی ہے، کشمش سے بنتی ہے، کھجور سے بنتی ہے، شہد سے بنتی ہے اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

لیکن یہ روایت صحیحین کے اندر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور منبر نبوی ﷺ پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

الخمر ما خامر العقل.

خمر (نشہ آور چیز جیسے شراب، چرس، ہیرون وغیرہ) وہ ہے جو عقل کو بیکار کر دے۔

اور ایک روایت ہے:

كل مسكر خمر و كل خمر حرام .

ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔

یہ دونوں روایتیں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں روایت کی ہیں۔

اور اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كل مسكر حرام وما اسكر الفرق منه فملء الكف منه حرام (قال الترمذی حديث حسن)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس سے مٹکا بھر پینے سے نشہ آئے اس کا ایک چلو بھی حرام

ہے۔

اور ارباب سنن (نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ) نے مختلف طریقوں سے روایت کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اسکر کثیر فقلیله حرام .

جس کا کثیر (کثیر تعداد میں) پینے سے نشہ آئے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔

حفاظ حدیث نے اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ہماری سرزمین میں ذرہ (دانوں) سے جس کو میزر کہتے ہیں شراب بناتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

امسکر هو ؟

کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا:

كل مسكر حرام ان على الله عهدا لمن شرب المسكر ان يسقيه من طينة الخبال .

ہر مسکر نشہ آور حرام ہے اور جو شخص نشہ آور چیز پیئے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اسے طینۃ الخبال پلائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

يارسول الله وما طينة الخبال ؟

اے اللہ کے رسول (ﷺ) یہ طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

عرق اهل النار . (رواه مسلم فی صحیحه)

یہ جہنمیوں کا پسینہ ہے۔

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کل مسکر خمر و کل مسکر حرام . (رواه ابو داؤد)

شراب کی ہر قسم حرام ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور اس باب میں بے شمار احادیث مستفیضہ مروی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا کلام جوامع الکلم ہوتا تھا، تمام کو جمع کر دیا کہ ہر وہ چیز جو عقل میں فرق پیدا کر دے اور نشہ لائے حرام ہے خواہ وہ ماکول ہو یا مشروب۔

علاوہ ازیں خمر و شراب تو کبھی کبھی پکائی جاتی ہے اور گھاس، جڑی بوٹیاں تو پانی میں بھگو دی جاتی ہیں اور پی لی جاتی ہیں۔

پس خمر و شراب پی بھی جاتی ہے اور کھائی بھی جاتی ہے اور جب یہ نشہ آور ہے تو حرام ہے متقدمین نے اس کی خصوصیات کے متعلق بحث نہیں کی کیونکہ اس کی پیداوار 600ھ میں یا اس کے قریب قریب ہوئی ہے جس طرح کہ شراب کی بہت سی قسمیں نبی اکرم ﷺ کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور یہ سب کی سب ان جوامع الکلم کے اندر آ گئیں جو کتاب وسنت کے اندر مذکور ہے۔

باب 16 (Chapter) کے مضامین

حد قذف ﴿زنا کی تہمت کی سزا﴾، محصن ﴿شادی شدہ مرد و عورت﴾ پر زنا کی تہمت لگانا۔ اور تہمت لگانے والے کو کوڑوں کی سزا۔

حد قذف ﴿زنا کی تہمت کی سزا﴾۔ جن حدود ﴿سزاؤں﴾ کے متعلق کتاب وسنت میں وارد ہے اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے حد قذف بھی ﴿انہی میں سے﴾ ہے جب کوئی شخص کسی

محصن ﴿شادی شدہ مرد یا عورت﴾ پر زنا کی ﴿تہمت﴾ یا لواطت کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر اَسّی کوڑوں کی حد﴿یعنی سزا﴾ واجب ہوگئی۔

اور یہاں محصن کے معنی حرّ، آزاد، عفیف اور پاک دامن ﴿مرد وعورت﴾ کے ہیں۔اور زنا کی حد کے موقع پر محصن کے معنی یہ ہیں کہ نکاحِ صحیح وتام سے اپنی بیوی سے وطی و جماع کیا ہو۔

باب17 (Chapter) کے مضامین

جن معاصی اور گناہوں کی حد﴿یعنی سزا﴾ مقدر اور مقرر نہیں ہوئی ہے، نہ اس کے لئے کفارہ ہے، ان میں عقوبت وسزا آزادی اور تعزیر اور عبرت اور تادیب والی ﴿یعنی قاضی وجج﴾ اور حاکم ﴿حکمران﴾ کی رائے پر ہے، حسب حال وہ سزا تجویز کرے۔

وہ معاصی اور گناہ جن میں کوئی مقدر اور مقرر حد نہیں اور نہ کفارہ ہے مثلاً کسی لڑکے کا بوسہ لینا یا اجنبی عورت کا بوسہ لینا، یا مباشرت بلا جماع و وطی کے کرنا، یا ایسی چیز کھانا جو حلال نہیں ہے مثلاً خون مسفوح یا مردار گوشت کھانا یا کسی پر زنا کے علاوہ کوئی جھوٹی تہمت لگانا۔ یا غیر محفوظ چیز کی چوری کرنا یا نصاب سے کم چیز چرالینی یا امانت میں خیانت کرنی جیسے بیت المال کے والی ﴿وزیر مال﴾ اور متولی ﴿خزانچی﴾ کیا کرتے ہیں یا وقف کے متولی ﴿نگہبان﴾ یا یتیم کے مال کے متولی ﴿ونگہبان﴾ کیا کرتے ہیں اور مثلاً تجارت کے وکلاء ﴿یعنی ایجنٹ اور Rep﴾ اور شریک فی التجارت ﴿Partner﴾ خیانت کیا کرتے ہیں یا معاملہ میں دھوکہ کرنا یا مثلاً کھانے پینے کی چیزوں میں یا کپڑوں میں دھوکہ کرنا یا مثلاً ناپ وتول میں کم زیادہ کرنا یا جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی گواہی کی تلقین کرنا یا رشوت لینا یا اللہ تعالی کے حکم کے خلاف حکم دینا یا رعایا پر ظلم وزیادتی کرنا یا جاہلیت کا نعرہ بلند کرنا یا جاہلیت کے دعوے کو بلند کرنا وغیرہ یا محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرنا، ایسے لوگوں کی سزا بطور تعزیر یا عبرت یا ادب کے والی وحاکم ﴿یعنی قاضی وجج یا حکمران خود﴾ تجویز کرے گا۔ حاکم ووالی گناہوں کی قلت و

کثرت دیکھتے ہوئے عقوبت وسزا تجویز کرے، جب معاصی اور گناہ زیادہ ہوں تو عقوبت وسزا بھی زیادہ ہونی چاہیئے۔ جب گناہ کم ہوں تو حسب حال گناہ کرنے والے کے سزا ہوگی۔

اور جب لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہوجائیں اور گناہ کے مدمن اور عادی ہوجائیں تو عقوبت و سزا زیادہ کردینی چاہیئے۔ جب فسق و فجور کم ہوتو عقوبت وسزا بھی کم ہونی چاہیئے۔

غرض! چھوٹے بڑے گناہ کے اعتبار سے عقوبت وسزا دینی چاہیئے۔ جو کسی ایک عورت یا ایک لڑکے سے چھیڑ چھاڑ کرے اُسے اس کے مقابلہ میں جو عام طور پر عورتوں اورلڑکوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، کم سزا ہونی چاہیئے اور کم سے کم تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں کہ اتنی ہونی چاہیئے کیونکہ تعزیر کا مقصد تکلیف پہنچانا ہے۔ اب خواہ وہ ﴿تعزیر وسزا﴾ قول سے ہو یا فعل سے، اس سے بات چیت ترک کر دینے سے ہو یا پہلے کوئی سلوک کررہا تھا اور کسی قسم کی رواداری کا برتاؤ کررہا تھا ﴿اوراب﴾ اُسے ترک کرنے سے ہو۔ یا نصیحت و وعظ کے ذریعہ یا توبیخ وتنبیہ اور سختی سے ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اُسے تکلیف پہنچے اور تعزیر ہوجائے۔ کبھی یہ مقصد قطع تعلق اور علیک سلیک بند کردینے سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

غرض یہ کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اُسے تکلیف وتعزیر ہونی چاہیئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے تین صحابہ سے جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے علیک سلیک اور بات چیت بند کردی تھی۔

اور والی وحاکم ﴿حکمران، وزیر مشیر، قاضی وجج، گورنر وسپہ سالار اور دیگر افسران﴾ سے کوئی جرم ایسا ہوجائے کہ اس میں حد مقرر نہیں ہے تو اُسے حکومت و ولایت ﴿یعنی عہدے﴾ سے معزول کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ کبھی تو فوجی وعسکری خدمات سے سبکدوش کرنے کی تعزیر ﴿وسزا﴾ کی جائے کہ وہ مسلمانوں کی فوجی وعسکری خدمات انجام دیتا تھا اس سے اس کو علیحدہ کردیا مثلاً وہ فوج اور لشکر کہ کفار سے لڑ رہا تھا تلواریں آمنے سامنے چل رہی ہیں اور کوئی مسلمان فوج میں سے بھاگ نکلا کہ فرار من الزحف یعنی جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے اس کی روٹی اس کا کھانا پینا بند کردینا ایک قسم کی تعزیر ہے۔

اسی طرح اگر امیر وحاکم سے کوئی ایسی حرکت ہو جائے جو بہت بڑی اور بہت بری سمجھی جاتی ہواور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں تو اُسے امارت وحکومت سے معزول کر دینا چاہیئے ۔ یہ اس کی تعزیر ہے۔

اسی طرح کبھی حبس وقید کی تعزیر کی جائے اور کبھی اس کا منہ کالا کیا جائے اور اسے الٹے منہ گدھے پر سوار کیا جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی تعزیر آپ رضی اللہ عنہ نے ایسی کی تھی ۔اس لئے کہ جھوٹ بولنے والے نے جھوٹ سے اپنا منہ کالا کیا تو اس کا منہ کالا کیا گیا۔اور بات کو مقلوب کر دیا تو اسے مقلوب الٹے منہ گدھے پر سوار کیا گیا اوراس کی تعزیر کی گئی۔

اورتعزیر ﴿یعنی سزا﴾ میں زیادہ سے زیادہ سزا یہ ہے کہ دس کوڑے مارے جائیں اس سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ بہت سے علماء اس کے قائل ہیں کہ تعزیر اتنی نہیں ہونی چاہیئے کہ حد کے درجہ کو پہنچ جائے۔ پھراس تعزیر کے متعلق بھی ان علماء کے دوقول ہیں: بعض کہتے ہیں کہ تعزیر ادنیٰ حدود تک نہیں پہنچنی چاہیئے ۔حر ﴿یعنی﴾ آزاد آدمی کی حد ادنیٰ سے ادنیٰ چالیس کوڑے یا اسی کوڑے ہیں۔تعزیر میں اتنے کوڑے نہیں لگانے چاہئیں۔غلام کی تعزیر غلام کی ادنیٰ حد کے برابر نہیں ہونی چاہیئے ۔غلام کی حد بیس کوڑے یا چالیس کوڑے ہیں تعزیر اس حد تک نہیں پہنچنی چاہیئے ۔

اور بعض کہتے ہیں آزاد شخص ہو یا غلام تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیئے ۔اور بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ حر اور آزاد کی تعزیر حر اور آزاد کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیئے اور غلام کی تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیئے ۔جس جنس اور جن نوعیت کی تعزیر کی جائے اسی جنس اوراسی نوعیت کی عقوبت وسزا حد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے ۔مثلاً کوئی چور ایسی چیز چرائے جو حرز وحفاظت میں نہ ہو تو ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ دوسری تعزیر ﴿وسزا﴾ کی جائے اگرچہ یہ تعزیر حد قذف تک پہنچ جائے۔اسے مار ماری جائے اگرچہ حد قذف سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو مثلاً کسی نے زنا سے کم فعل کیا بوسہ لیا یا ساتھ لے کر سو رہا یا اس قسم کی کوئی

دوسری حرکت کی تو اس کی تعزیر زنا کی حد کو نہیں پہنچ سکتی اگرچہ قاذف سے زیادہ ہو گی جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے منقش انگوٹھی بنوائی تھی اور بیت المال سے کچھ لے لیا تھا اور انگوٹھی میں لگایا تھا تو امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک دن سو کوڑے لگوائے، دوسرے دن سو کوڑے لگوائے اور تیسرے دن سو کوڑے لگوائے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن ایک مرد ایک اجنبی عورت کو ایک لحاف کے اندر لے کر سویا ہوا تھا تو دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے تھے۔

اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کی باندی ﴿یعنی لونڈی﴾ سے خلوت کی، تو اگر اس کی بیوی نے اُسے خلوت کی اجازت دے دی تو اُسے سو کوڑے لگوائے جائیں گے اور خلوت کی اجازت نہیں دی ہے تو رجم کیا جائے گا۔ یہ تمام اقوال امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کی رو سے ہیں۔ اور پہلے دو قول امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب کی رو سے۔ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان میں حد نہیں ہے مگر تعزیر و سزا قتل کی بھی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بعض شاگرد اس میں ان کے ہمنوا ہیں مثلاً مسلم جاسوس دشمنوں اور کفار سے ایسی جاسوسی کرے کہ مسلمانوں کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی تعزیر میں توقف کیا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور بعض حنابلہ مثلاً ابن عقیلی وغیرہ کہتے ہیں اس کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض حنابلہ مثلاً ابو یعلی وغیرہ کہتے ہیں نہیں اُسے قتل نہیں کرنا چاہیئے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر کوئی ایسی بدعت رائج کرے یا بدعت کو دعوت دے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے بہت سے شاگردوں کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے قدریہ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس لئے یہ حکم دیا ہے کہ اس سے فساد فی الارض

مقصود ہے نہ یہ کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اس لئے۔

اوراسی طرح بعض نے جادوگر کوقتل کرنے کا حکم دیا ہے اوراکثر علماء نے بھی اُسے قتل کرنے کا حکم دیا ہےاورسیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے موقوف اورمرفوع روایت ہے کہ

حد الساحر ضربه بالسيف (رواه الترمذی)

جادوگر کی حداس کی گردن تلوار سے اُڑا دینا ہے۔

اورامیر المؤمنین سیدنا عمر، سیدنا عثمان، اُم المؤمنین سیدہ حفصہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اوردیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ساحر ﴿یعنی جادوگر﴾ کی گردن اڑا دی جائے۔ لیکن ﴿یہ﴾ قتل کی وجہ اور علت مختلف بیان کرتے ہیں؛ بعض علماء اس لئے اُسے قتل کرنے کی تجویز کرتے ہیں کہ وہ کافر ہوجاتا ہےاوربعض علماء کہتے ہیں نہیں بلکہ فساد فی الارض کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں بر بنائے حد جادوگر کو قتل کیا جائے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان جرائم میں جن میں قتل واجب ہے ان جرائم کی تکرار پرتعزیر بالقتل کا حکم دیتے ہیں مثلاً کوئی شخص لواطت پراصرار کرے یا یہ کہ لوگوں کوتحصیل مال کے لئے دھوکہ اور فریب دیتا ہے تو اُسے قتل کرنا واجب ہے۔

اگرکسی مفسدہ کے متعلق یہ ثابت ہوجائے کہ اس کے شر سے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ اُسے قتل نہ کیا جائے تو اُسے قتل کردیا جائے جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں سیدنا عرفجہ الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ﴿اس طرح﴾ سنا ہے۔

من اتاكم وامركم علی رجل واحد يريد ان يشق عصاكم او يفرق فی جماعتكم فاقتلوه.

جوشخص تمہارے پاس آئے اورتم سب ایک آدمی پر مجتمع ہو، اس کا ارادہ تمہاری جماعت

میں پھوٹ ڈالنے کا ہو یا تمہاری جماعت کو پراگندہ کرنے کا ہو تو اُسے قتل کر دو۔

اور دوسری روایت میں ہے:

سیکون ھنات و ھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ و ھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان.

پے در پے فتنے کھڑے ہوں گے؛ اس وقت کوئی آدمی اس اُمت میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ کرے اور تمہاری جمعیت کو توڑنا چاہے تو تم اُسے تلوار سے قتل کر ڈالو ﴿چاہے وہ﴾ جو کوئی بھی ہو۔

اور یہی شراب نوشی کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب بار بار کی تعزیر سے وہ باز نہیں آتا تو چوتھی مرتبہ میں اُسے قتل کر دو اور اس پر وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سیدنا ویلم الحمیر ی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ سیدنا ویلم رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں: اے اللہ رسول اللہ ﷺ! میں ایسی سرزمین سے آیا ہوں جہاں شراب سے بڑا کام نکلتا ہے اور اس سے علاج معالجہ کیا جاتا ہے، ہم قمح سے شراب بناتے ہیں جس سے ہم کو بڑی قوت ملتی ہے اور بڑی حد تک اپنے پیشہ میں کامیاب ہوتے ہیں، علاوہ ازیں ہمارے یہاں سردی بھی بہت ہوتی ہے اور اسی سے سہارا ملتا ہے آپ نے فرمایا:

ھل یسکر ؟

کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فاجتنبوہ .

اس سے بچتے رہو۔

میں نے کہا کہ لوگ تو اسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا:

فان لم یترکوہ فاقتلوہ .

اگر وہ نہ چھوڑیں تو اُنہیں قتل کر دو۔

اور یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ مفسد ہے اور مفسد صائل حملہ آور کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح صائل حملہ آور کی مدافعت بغیر قتل کے ناممکن ہو تو قتل کیا جائے اسی طرح اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور سب کا اجماع اس پر ہے کہ عقوبت وسزا دو قسم کی ہے؛ ایک ماضی کے گناہ کی عقوبت وسزا کہ اسے اپنے کیئے کی سزا مل جائے اور اللہ تعالیٰ کی خفگی و ناراضگی کا تدارک ہو جائے مثلاً شراب خور اور قاذف ﴿جھوٹی تہمت لگانے والے﴾ کو کوڑے لگانا محارب ﴿ڈاکو﴾ اور چور کے ہاتھ کاٹ دینا وغیرہ۔

دوسری ﴿سزا﴾ واجب حق ادا نہ کرنے کا اور جو جرم وہ کر رہا ہے مستقبل میں ترک نہیں کرتا اس کی سزا جس سے مقصود یہ ہے کہ حق واجب وہ ادا کرے اور مستقبل میں جرم کو ترک کر دے جیسے مرتد کہ اس کو توبہ کے لئے کہنا کہ وہ توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے۔ اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے تو بہت بہتر و گرنہ اُسے قتل کر دیا جائے۔

اور جیسے تارکِ نماز، تارکِ زکوۃ اور بندوں کے حقوق نہ دینا، ان کے حقوق کو پامال کرنا وغیرہ یہاں تک کہ وہ حقوقِ واجبہ ادا کرنے لگ جائے۔

تو اس دوسری قسم کے جرائم میں پہلی قسم کے جرائم سے زیادہ تعزیر کی جائے گی۔ اور اس لئے مرۃ بعد مرۃ تارک نماز، تارک زکوۃ کو مارا اور پیٹا جائے گا یہاں تک کہ اس پر جو حقوق ہیں ادا کرنے لگ جائے۔

اور صحیحین کی وہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یجلد فوق عشرۃ اسواط الا فی حد من حدود اللہ .

حدود الٰہی کے سوا دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہ کی جائے۔

اس کی تفسیر علماء کی ایک جماعت یہ کر رہی ہے کہ اس سے مراد حدود الٰہیہ ہیں جو اللہ کے حق کے لئے حرام کی گئی ہیں کیونکہ قرآن وسنت میں جہاں حدود کا لفظ آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حلال و حرام میں حد فاصل ہے۔ یعنی حلال کی آخری حد اور حرام کی پہلی حد کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔

حلال کی آخری حد کے متعلق اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ فَلاَ تَعْتَدُوْهَا

یہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود ہیں انہیں مت پھلانگو۔

اور حرام کی پہلی حد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ فَلاَ تَقْرَبُوْهَا.

یہ حدودِ الٰہی ہیں ان کے قریب نہ بھی جاؤ۔

اب رہی یہ بات کہ اس عقوبت وسزا کو حد کیوں کہا گیا تو جواب یہ ہے یہ نو پیدا عرف ہے اور حقیقت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی۔

اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے حق کے لئے اگر مارے مثلاً مرد اپنی بیوی کو مارے کہ کسی وجہ سے باہم نشوز اور کھچاؤ پیدا ہو گیا ہے تو اس کا فرض یہ ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے۔

باب 18 (Chapter) کے مضامین

جن کوڑوں سے مارا جائے وہ درمیانی ہونے چاہئیں لکڑی یا کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے؛ تمام کپڑے نہ اُتارے جائیں؛ منہ پر نہ مارا جائے؛ پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مارا جائے اور اس کے ہاتھ نہ باندھے جائیں۔

شریعت میں جن کوڑوں کے لگانے کا حکم ہے وہ ایسے ہونے چاہئیں کہ معتدل و درمیانی ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

خير الامور اوسطها.

بہترین اُمور وہ ہیں جو درمیانی ہوں۔

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ سخت ضرب لگائی جائے نہ نرم۔ کوڑا نہ بہت بڑا ہو نہ بہت چھوٹا۔

لکڑی سے نہ مارا جائے؛ کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے۔ اس میں درّہ کافی نہیں ہے بلکہ درّہ تعزیرات میں مستعمل ہے حدود میں تو کوڑوں ہی کی مار ماری جائے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی کو ادب دیتے، ادب سکھاتے تو درّہ کے ذریعہ سکھاتے، لیکن جب حدود کا معاملہ ہوتا تو کوڑا منگوا لیتے۔ کوڑے لگواتے وقت مجرم کے سارے کپڑے نہ اتارے جائیں بلکہ اتنے اُتارے جائیں جو ضرب اور مار اور چوٹ سے روکتے ہوں۔ اندر آنتوں اور رگوں پر مار کا اثر نہ پہنچے اور جب تک سخت ضرورت پیش نہ آئے محدود ﴿یعنی جس پر حد جاری کی جارہی ہے اُس﴾ کو باندھا بھی نہ جائے اور منہ پر بھی نہ مارا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ اس کی تادیب کی جائے، اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور ایسی مار ماری جائے کہ ہر عضو کو اس کا حصہ مل جائے مثلاً پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مار ماری جائے۔

باب 19 (Chapter) کے مضامین

عقوبت و سزا دو قسم کی ہیں؛ ایک تو یہ کہ ایک یا دو چند آدمی اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کریں اور دوسری یہ کہ ایک مضبوط جماعت ہو جو اِسلام کی راہ میں حائل ہو اور لڑنے، مارنے مرنے پر تل جائیں۔ پہلی قسم میں حد ہے اور دوسری قسم میں جہاد۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے جو سزا اور عقوبت لازم آتی ہے، دو قسم کی ہے۔ ایک وہ عقوبت و سزا ہے جو مقدر اور مقرر ہے جو ایک آدمی کے لئے یا دو چند آدمیوں کے لئے ہوا کرتی ہے جیسا

کہ پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری عقوبت و سزا وہ ہے جو ایک زبردست گروہ کے مقابلہ میں ہو جس پر قتل کے بغیر قابو حاصل نہیں ہوتا اور یہ جہاد فی سبیل للہ ہے؛ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف لڑائی ہے۔

پس جبکہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت ان تک پہنچ جائے، دین کی تبلیغ ہو جائے اور وہ اِسلام قبول نہ کرے تو اس کے مقابلہ میں جہاد اور حرب وقتال فرض ہے یہاں تک کہ کوئی فتنہ دین کے بارے میں باقی نہ رہے اور دین الٰہی پھولے پھلے۔

بعثت کے آغاز میں آپ ﷺ کو صرف دعوت الی الاسلام کی اجازت تھی، قتل کرنے اور مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب مجبور ہو کر آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں آپ ﷺ کی قوت وطاقت بڑھ گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو جہاد وقتال اور جنگ کا حکم دیا۔

اُذِنَ لِلَّـذِيْـنَ يُـقَاتِلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨ o الَّذِيْنَ اُخْـرِجُـوْا مِـنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَـعْـضَـهُـمْ بِبَـعْـضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوَاتٌ وَّ مَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْـمُ اللّٰهِ كَثِيْـرًا وَ لَيَـنْـصُـرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ o اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (حج:41)

جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ''ہمارا رب اللہ ہے'' ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹواتا (دفع کرواتا)

تو نصاری کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا تو اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست غالب ہے۔ ان مومن لوگوں کو اگر حاکمِ وقت بنا کر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو اچھے ہی اچھے کام کریں گے، نماز پڑھیں گے زکوۃ دیں گے، اچھے کام کے لئے کہیں گے اور برے کام سے منع کریں گے؛ اور سب چیزوں کا انجامِ کار تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں پر جہاد وقتال فرض کیا گیا اور یہ آیت اتری:

کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَھُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ وَ عَسٰی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَ عَسٰی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ .

(بقرہ:216)

مسلمانو! تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو ناگوار بھی گزرے گا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس کے بعد مدنی سورتوں میں جہاد کی عظمت و اہمیت پیش کی اور جہاد فرض کیا گیا اور جہاد ترک کرنے والوں کی مذمت اور برائی پیش کی۔ جہاد وقتال ترک کرنے والوں کو مریض قلوب ﴿یعنی منافق کے نام﴾ سے یاد کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَ اِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَ اَمۡوَالُ ۣاقۡتَرَفۡتُمُوۡھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَھَا وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَھَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَ جِھَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ وَاللّٰہُ

لاَ یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفَاسِقِیۡنَ . (توبہ:24)

اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان و قبیلے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے منداپڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے اگر یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول کے رستے میں جہاد کرنے سے تم کو یادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لاموجود کرے اور اللہ ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَ جَاهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اُوۡلٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ (الحجرات:15)

پس سچے مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے، حقیقت میں یہی سچے (ایمان والے) ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ مُّحۡکَمَةٌ وَّ ذُکِرَ فِیۡهَا الۡقِتَالُ رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ یَّنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ نَظَرَ الۡمَغۡشِیِّ عَلَیۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ فَاَوۡلٰی لَهُمۡ ۝ طَاعَةٌ وَّ قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَکَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ ۝ فَهَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ تُقَطِّعُوۡا اَرۡحَامَکُمۡ

(محمد:20-22)

پھر جب کوئی سورت نازل ہو اور اُس میں صاف طور پر جہاد کا حکم اور لڑائی کا تذکرہ ہو تو

اے پیغمبر (ﷺ) جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے تم اُن کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو رہی ہو، سو ان کے لئے خرابی ہے۔ رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری چاہیئے اور سیدھی طرح پر جواب دینا چاہیئے، جب لڑائی ٹھن جائے اور یہ لوگ اللہ سے سچے رہیں تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہے۔ (اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں ناطوں کو توڑ ڈالو۔

اور اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں اور اسی طرح جہاد وقتال اور جہاد کرنے والے مجاہدوں کی عظمت واہمیت سورہ الصّف کے اندر وارد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ o تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَ مَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَالِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ .

(صف: 10-13)

اے پیغمبر (ﷺ)! مسلمانوں سے کہو: مسلمانو! کیا میں تم کو ایسی تجارت اور سوداگری بتاؤں جو تم کو آخرت کے عذاب دردناک سے بچائے؟ وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑادو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں اور نیز عمدہ عمدہ مکانات میں کہ وہ مکانات ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ایک اور نعمت بھی

ہے جسے تم دل سے پسند کرتے ہو کہ اللہ کی طرف سے تم کو مدد ملے گی اور فتح اور اے پیغمبر! مسلمانوں کو اس کی خوشخبری سنادو۔

اور ارشاد ہے:۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ o اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ o يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ o خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ. (توبہ:19-22)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور ادب وحرمت والی مسجد خانہ کعبہ کو آباد رکھنے کو اس شخص جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیئے یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی ہیں جو منزلِ مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی اور یہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ کے ہاں بہت بڑا ثواب موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ

لَآئِمٍ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. (مائدہ:54)

تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو اللہ ایسے لوگوں کو لا موجود کرے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم، کافروں کے ساتھ نہایت سخت، اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھیں گے یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ذَالِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ o وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (توبہ:121)

یہ اس لئے کہ ان جہاد کرنے والوں کو اللہ کی راہ میں پیاس، محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے یا ایسی جگہوں پر چلتے ہیں جہاں کافروں (اور منافقوں) کو غصہ آئے یا دشمنوں کی جاسوسی کی، تو ہر ہر کام کے بدلے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے بیشک اللہ خلوصِ دل سے اِسلام کی خدمت کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیا کرتا۔ اور تھوڑا بہت جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو (وادیاں اور) میدان ان کو عبور کرنے پڑتے ہیں یہ سب ان کے نام (اعمالِ صالحہ میں) لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

پھر ان اعمالِ معاشرت سے جو اعمال پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا اور جہاد کا حکم دیا۔ اور کتاب

اللہ اور کتاب الرسول میں بیشمار جگہوں پر جہاد کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہے افضل تطوع اور بہترین نفل جہاد ہے اور اسی بناء پر علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ جہاد! حج عمرہ اور نفل روزوں سے بھی افضل ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول اس پر دلالت کرتی ہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

راس الامر الاسلام و عموده الصلوة و زروة سنامه الجهاد.

راس الامر اسلام ہے اور اس کا عمود وستون نماز ہے ان سب سے بہترین عمل جہاد ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ان فی الجنة لمأةدرجة مابين الدرجة والدرجه كما بين السماء والارض اعدها الله للمجاهدين فی سبيله. (متفق عليه)

جنت میں سو درجے ہیں اور (ہر) دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ آسمان و زمین کے درمیان ہے اور یہ درجے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من اغبر قدماه فی سبيل الله حرمه على النار. (رواه البخاری)

جس شخص کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

رباط يوم و ليلة خير من صيام شهر و قيامه و ان مات اجری عليه عمله الذی كان يعمله و اجری عليه رزقه و امن الفتان. (رواه مسلم)

ایک رات دن اللہ کی راہ میں گھوڑے باندھنا ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ کی شب بیداری سے بہتر ہے؛ اگر وہ اس حالت میں فوت ہو گیا تو اُسے اس کے عمل کا اجر ملتا رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری کر دیا جائے گا اور (دنیا، قبر اور آخرت) فتنوں سے پناہ ملے

گی۔

اورآپ ﷺ کاارشاد ہے:

لاتبتهـا الـنـار عين بكت من خشية الله و عين باتت تحرس فی سبيل الله

(قال الترمذی حديث حسن)

جوآنکھ اللہ کےخوف سےروئے اورجوآنکھ فی سبیل اللہ حراست(پہریداری)کرےاس کودوزخ کی آگ کبھی نہ چھوسکےگی۔

اورمسنداحمدمیں ہے:

حـرس لـيـلة فـی سبيـل الله افـضـل من الف ليلة يقام ليلها و يصام نهارها.

(رواه احمد فی سنده)

ایک رات اللہ کی راہ میں حراست کرنا(پہرہ دینا)ہزارراتوں کی شب بیداری اور ہزار روزوں سےبہترہے۔

صحیح بخاری اورصحیح مسلم میں آپ ﷺ کافرمانِ عالیشان ہے:

ان رجـلا قـال يـارسول الله اخبرنی بشیء يعدل الجهاد فی سبيل الله قال تستـطيـعـه قـال اخبرنی قال هل تستطيع اذا خرج المجاهد ان تصوم لا تفطر و تقوم لا تفتر قال لا قال فذالک الذی يعدل الجهاد (متفق عليه)

کسی شخص نےرسول اللہ ﷺ سےکہاکہ اللہ کےرسول ﷺ مجھےایسی چیزبتلائیں جو جہادفی سبیل اللہ کےبرابرہو۔آپ ﷺ نےفرمایا:تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔اس نےکہابتلائیں توسہی۔آپ ﷺ نےفرمایاکیاتم یہ طاقت رکھتےہوکہ جب مجاہدجہاد کےلئےنکلےتوتم روزےرکھناشروع کرواورافطارنہ کرواوررات کوتہجدپڑھواورکبھی ناغہ نہ کرو؟اس نےکہانہیں۔آپ ﷺ نےفرمایایہ عبادت جہادکےبرابرہوسکتی ہے۔

اور سنن میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان لکل امت سیاحة و سیاحة امتی الجهاد فی سبیل الله .

ہر اُمت کی سیر و سیاحت ہوتی ہے جبکہ میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے

یہ بات بہت وسیع ہے؛ حقیقتِ جہاد، اعمالِ جہاد اور اس کے اجر و ثواب اور فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ غور و عبرت کی جائے تو یہ ظاہر ہے کیونکہ جہاد کا نفع مجاہد اور دوسروں کے لئے دین و دنیا میں عام ہے اور ہمہ قسم کی عبادات و طاعاتِ ظاہرہ و باطنہ پر مشتمل ہے اس لئے کہ جہاد محبت الٰہی، اخلاص اور توکل علی اللہ پر مشتمل ہے۔ مجاہد اپنی جان و مال اللہ کے حوالے کر دیتا ہے؛ صبر و زہد، ذکر الٰہی اور ہمہ قسم کے اعمال اس کے اندر شامل ہیں۔ جہاد کے علاوہ دوسرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں یہ تمام اعمال شامل ہوں۔

جو شخص اور جو اُمت جہاد کرتی ہے وہ دو قسم کی نیکیوں سے ہمیشہ بہرہ ور ہوتی ہے ایک تو نصرتِ الٰہی، فتح و ظفر یا شہادت پا کر جنت حاصل کر لے اور دوسرا یہ کہ خلق اللہ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ جہاد میں دین و دنیا کی سعادت ہے اور زندگی اور موت کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ ترکِ جہاد سے دنیا و آخرت کی سعادت سے یکسر محروم ہو جاتا ہے یا ان میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ شدید قسم کی ریاضت کرتے ہیں، دین و دنیا کے لئے اعمالِ شاقہ برداشت کرتے ہیں، باوجود اس کے ان سے منفعت بہت کم حاصل ہوتی ہے جبکہ جہاد ایک ایسا عمل ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ نفع ہے اور اعمال شاقہ سے کہیں زیادہ اس میں منفعت ہے۔ کبھی کبھی انسان اپنی ترقی اور اصلاح کے لئے ایسے اعمالِ شاقہ کر گذرتا ہے کہ موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن شہید کی موت ہمہ قسم کی اموات سے آسان اور سب سے بہتر ہے۔ ﴿اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی موت عطا فرمائے آمین﴾

(ابو عبداللہ)

حرب و قتال اور جنگ کا اصل مقصد مشروعِ جہاد ہے اور جہاد کا مقصودِ اصلی یہ ہے کہ دین کل کا کل

اللہ کا ہو جائے اور کلمہ الٰہی بلند ہو۔ لہٰذا جو شخص اس جہاد سے روکے، اس سے منع کرے یا اس میں مزاحمت پیدا کرے تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ جو لوگ منع نہیں کرتے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال نہیں کرتے، جو کسی طرح جہاد میں مزاحم نہیں ہیں جیسے کہ عورتیں، بچے، راہب، شیخ کبیر، بوڑھے، اندھے، لولے، لنگڑے اور اپاہج وغیرہ تو جمہور ﴿علماء﴾ کا یہ فتویٰ ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل نہ کیا جائے؛ انہی لوگوں کو قتل کرنا واجب ہے جو قول و فعل سے مسلمانوں کے خلاف حرب و قتال اور جنگ کرتے ہیں۔ گو بعض ﴿علماء﴾ سب کو قتل کرنا مباح کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ کافر ہیں اس لئے قتل کر دیا جائے۔ ہاں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ یہ تو مسلمانوں کا مال ہے۔ پہلا قول صحیح اور صواب اور ثواب ہے کیونکہ جہاد یہی ہے اور اسی کا نام ہے کہ جب ہم دین کی دعوت پیش کریں، دین کی اشاعت کریں، دین حق کو پھیلانا چاہیں تو وہ ہم سے لڑیں ہم کو روکیں اور تبلیغ و اشاعت کی راہ میں مزاحمت کریں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ . (البقرہ:190)

اور مسلمانو! جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرنا؛ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سنن میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو جمع پایا اور ایک منقولہ عورت کو دیکھا؛ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا:

ما كانت هذه لتقاتل .

یہ عورت تو کسی کو قتل نہیں کرتی تھی۔

اور آپ ﷺ نے ایک شخص سے کہا:

الحق خالدا فقل له لا تقتلوا ذرية ولا عسيفا.

جاؤ جا کر خالد ﴿بن ولید رضی اللہ عنہ﴾ سے کہو کہ چھوٹی اولاد، محنت مزدوری کرنے والے، بے ضرر غلاموں اورعورتوں کو قتل نہ کرو۔

اوراسی سنن میں ہے؛ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امرأة .

شیخ فانی کو قتل نہ کرو، اورنہ چھوٹے بچوں کو قتل کرو نہ عورتوں کو۔

اور یہ اس لئے کہ قتال و جہاد مخلوق کی اصلاح اورفلاح و بہبود کے لئے مباح کیا گیا ہے۔ قتل کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ اس سے فلاح و بہبود متصور ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والفتنة اکبر من القتل.

اورفتنہ قتل سے بھی بہت بڑا شر ہے۔

یعنی قتل کرنا بھی شر اور فساد ہے۔ تو گویا کسی کو قتل کرنا بھی شر و فساد ہے مگر کفار کا شر و فساد اس سے بھی بڑھ کر ہے اور بہت بڑا فتنہ ہے۔ پس جو شخص دین کی اشاعت، دین کی اقامت سے منع نہیں کرتا؛ ان ﴿مجاہدین﴾ کی مزاحمت نہیں کرتا تو اس کا کفر اسی کے لئے مضر ہے نہ کہ مسلمانوں کے لئے۔ اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ ایسی بدعات کی دعوت دینا اوراس کی نشر و اشاعت کرنا جو کتاب اللہ اور کتاب الرسول کے خلاف ہے، سراسر دین کی توہین ہے اور دعوت دینے والے اوراس کی نشر و اشاعت کرنے والے کو عقوبت وسزا دی جائے، خاموش رہنے والے کو وہ عقوبت وسزا نہ دی جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

ان الخطیئة اذا اخفیت لم تضر الا صاحبها ولکن اذا ظهرت فلم منکر ضرت العامة.

جب خفیہ طور پر گناہ کیا جائے تو گناہ کرنے والے ہی کو نقصان کرتا ہے لیکن جب کھلے طور پر ﴿گناہ﴾ کیا جائے اوراس سے روکا نہ جائے تو عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

اسی لئے شریعت نے کفار سے قتال و جنگ واجب کیا ہے لیکن جو معذور اور بے بس ہیں ان سے قتال اور جنگ واجب نہیں کیا بلکہ اگر کوئی خفیہ طور پر قتال وغیرہ کا مشورہ دیتا ہے یا کشتی اور جہاز کی راہ بتلاتا ہے یا یہ کہ مسلمانوں کو غلط راستہ بتلاتا ہے یا اور کسی قسم کا کام کرتا ہے یا حیلہ بتلاتا ہے تو امام والی حاکم ﴿گورنر اور حکمران﴾ کا فرض ہے کہ اصلح طریقہ اختیار کرے اور سوچ سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسے اس کام سے دور رہنے کی ہدایت کرے یا قتل کر دے یا احسان کر کے چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے یا جان کی ضمانت لے کر اسے رہا کر دے۔ جو بہتر معلوم ہو وہ کرے۔ اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور کتاب وسنت بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اگر چہ بعض فقہاء اس پر احسان کرنے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کو منسوخ مانتے ہیں۔

رہا اہل کتاب اور مجوسیوں کا مسئلہ تو ان سے قتال و جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں؛ ان کے سوا دوسرے لوگوں سے جزیہ لینے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، مگر عام فقہاء عربوں سے جزیہ نہیں لیتے۔

جو طائفہ جو گروہ اس کی نسبت اسلام کی طرف ہوتی ہے اور مسلمان کہلاتے ہیں لیکن بعض شرائع ﴿یعنی شرعی قوانین﴾ سے وہ حذر ﴿واحتراز﴾ کرتے ہیں یا منع کرتے ہیں اور وہ شرائع ﴿قوانین﴾ ایسے ہیں جو ظاہر اور متواتر ہیں تو ان سے جہاد کرنا واجب ہے؛ اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد وقتال کرنا فرض ہے یہاں تک کہ اللہ کا دین کل کا کل پھیل جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ''زکوۃ'' نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ گو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابتدا میں اس سے اختلاف کیا لیکن بعد میں وہ بھی اس سے متفق ہو گئے مثلاً امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

كيف تقاتل الناس و قد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله فاذا قالوها فقد عصموا

منی دمائھم و اموالھم الا بحقھا و حسابھم علی اللہ.

تم ان ﴿زکوٰۃ کے منکر﴾ لوگوں سے جہاد وقتال کیسے کر سکتے ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے حکم دیا ہے میں لوگوں سے جنگ اس وقت تک کروں کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ یہ شہادت دے دیں تو اپنی جان ومال بچالیں گے مگر کسی حق کے ساتھ؛ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا:

فَاِنَّ الزَّکَاتَ مِنْ حَقِّهَا وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاتًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ نَقَاتِلْتُهُمْ عَلٰی مَنْعِهَا

زکوٰۃ اس کلمہ کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ اس کا وہ ٹکڑا بھی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال وجنگ کروں گا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے: یقیناً اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قتال وجنگ کے لئے شرح صدر فرما دیا تھا ﴿یعنی سینہ کھول دیا تھا﴾ اور اب میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ یہ حق پر ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ سے مختلف بہت سے طریقوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خوارج کے خلاف جہاد وجنگ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے؛ آپ ﷺ فرماتے تھے:

سَیَخْرُجُ قَوْمٌ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ. سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ یَقُوْلُوْنَ مِنْ خَیْرِ قَوْلِ الْبَرِیَّةِ لَا یُجَاوِزُ اِیْمَانَهُمْ حَنَاجِرَهُمْ یُمَرِّقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرِقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ فَاَیْنَمَا لَقِیْتُمُوْهُمْ قَاتِلُوْهُمْ فَاِنَّ فِیْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

آخرزمانے میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو جوان ہوں گے اور بیوقوف ہوں گے، وہ خیر البریہ کا قول پیش کریں گے لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین ان سے ایسے نکل جائے گا جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے، پس جہاں تم ان کو پاؤ قتل کردو۔ ان کے قتل کرنے سے قیامت کے دن تمہیں اجروثواب ملے گا۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے:

يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ اُمَّتِيْ يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ لَيْسَ قِرَاءَ تِكُمْ اِلٰى قِرْاٰتِهِمْ بِشَيْئٍ وَلَا صِيَامُكُمْ اِلٰى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ يَحْسَبُوْنَهٗ اَنَّهٗ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ لَا تُجَاوِزُ قِرْاٰئَتُهُمْ تَرَا قِيْهِمْ يُمَرِّقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرِقُ السّهْمُ بِاب مِنَ الرَّمْيَةِ

میری اُمت میں سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو قرآن پڑھتی رہے گی لیکن ان کی قرأت کے مقابلہ میں تمہاری قرأت کوئی چیز نہیں اور نہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تمہاری نماز کوئی چیز ہے اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں تمہارے روزے کوئی چیز نہیں، قرآن پڑھیں گے اور خیال کریں گے قرآن ان کے لئے دلیل ہے حالانکہ قرآن ان کے خلاف ہوگا، ان کی قرأت ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گی۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔

تو اگروہ جیش اور لشکر جن تک رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ پہنچے کہ رسول اللہ کی زبان اقدس نے یہ فیصلہ کیا ہے، تو یقیناً اس پر عمل کریں گے۔

اور سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اوپر والی حدیث میں یہ جملے بھی روایت کئے ہیں:

يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِيْمَانِ وَ يَدْعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ

(بخاری و مسلم)

وہ اہل ایمان والوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے۔ اگر میں ان کو پاؤں گا تو قوم عاد کی طرح انہیں قتل کروں گا۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

تَكُونُ اُمَّتِیْ فِرْقَتَيْنِ فَتَخْرُجُ مِنْ بَيْنِهِمَا مَارِقَةٌ يَلِیْ قَتْلَهُمْ اُوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ

میری اُمت دو فرقوں میں بٹ جائے گی، ان دونوں سے بے دین لوگ کھڑے ہو جائیں گے تو جو لوگ حق پر ہوں گے وہ ان کو قتل کریں گے۔

یہ وہی لوگ تھے جن سے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تھی جبکہ عراقی لوگوں میں اور شام کے لوگوں میں تفرقہ بازی ہوئی تھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا نام حروریہ رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں گروہ آپ کی اُمت سے علیحدہ ہیں اور اصحابِ علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔ آپ ﷺ نے ان مارقین، بے دینوں کے سوا کسی سے جنگ کرنے کی تحریص و تحریک نہیں فرمائی بلکہ انہی لوگوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال کا حکم فرمایا جو اسلام سے خارج ہو گئے تھے، اور جماعت اسلام کو ترک کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کا خون اور مال اپنے لئے حلال و مباح کر لیا تھا۔

پس کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہو گیا کہ اس جماعت سے قتال و جنگ کی جائے جو شریعت اسلام سے خارج ہوں۔ اگرچہ وہ کلمہء شہادت یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار کریں۔

فقہاء کہتے ہیں اگر کوئی زبردست گروہ سنت کی مزاحمت کرے اور اسے ترک کرنے پر کمر بستہ ہو جائے مثلاً فجر کی دو سنتوں کا انکار کرے تو دونوں قول کے مطابق ان سے قتال و جنگ کی جائے۔ اور اگر واجبات اور محرمات ظاہرہ و ثابتہ مستفیضہ سے انکار کرے تو بالاتفاق ان سے جنگ کی جائے یہاں

تک کہ وہ نماز، زکوۃ، رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ کا التزام کرلیں اور محرمات مثلاً بہنوں سے نکاح کرنے، خبیث چیزوں کے کھانے اور مسلمانوں پر حکومت کرنے سے باز آ جائیں، ایسے لوگوں سے قتال و جنگ واجب ہے۔ اور قتال و جنگ اس وقت واجب ہے جبکہ دعوتِ نبوی ﷺ ان تک پہنچ جائے۔

لیکن جب مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ لوگ جنگ کرنے کی ابتداء کریں تو اس وقت ان کا مقابلہ کرنا اور ان سے قتال و جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ عام فرض ہے کہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں اور اس طرح مقابلہ کریں جس طرح کہ مسلمانوں پر زیادتی کرنے والوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے مثلاً قطاع الطریق ﴿ڈاکو، راہزن، دہشتگرد﴾ وغیرہ۔ اور ان سے بھی زیادہ ضروری اور واجب ہے کہ کفار اور طائفہ ممتنعہ سے جو بعض شرائع الٰہیہ ﴿شرعی قوانین﴾ سے مزاحمت کریں؛ جنگ و قتال واجب ہے مثلاً زکوۃ نہ دینا اور خوارج کا فتنہ وغیرہ؛ تو ان سے مقابلہ اور قتال و جنگ کرنا واجب ہے۔

ابتداء جنگ میں مدافعانہ جنگ کی جائے اور یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض مسلمان جنگ وقتل میں حصہ لیں گے تو باقی مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، اگرچہ فضیلت اسی میں ہے کہ اس جنگ میں شرکت کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ (نساء ع 13)

جن مسلمانوں کو کسی طرح کی معذوری نہیں اور وہ جہاد سے بیٹھ رہے، ان کی شرکت کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی، یہ لوگ درجے میں برابر نہیں ہو سکتے۔

لیکن اگر دشمن کا ارادہ مسلمانوں کے خلاف جنگ وقتال کا ہے، اور ہجوم کر کے چڑھ دوڑے ہیں تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی مدافعت کریں۔ مدافعت ان پر فرض ہو جاتی ہے جن پر حملہ کیا گیا ہے، ان پر فرض اس لئے ہے کہ ان پر حملہ ہوا ہے۔ اور دوسرے مسلمانوں پر اس لئے کہ اہل اسلام کی اعانت

وامداد فرض ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ یَّنْصُرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِیْثَاقٌ

(الانفال ع:1).

ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو تمہیں ان کی مدد کرنا لازم ہے، مگر اس کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہو۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ یَنْصُرُ الْمُسْلِمَ

مسلمان، مسلمان کی امداد کریں۔

مسلمانوں کی امداد ضروری ہے، اس میں ان کو روزینہ ملے یا نہ ملے، اگرچہ روزینہ دینا بہتر ہے۔ تمام مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جان و مال سے اعانت وامداد کریں۔ اور یہ اعانت وامداد ان پر فرض ہے؛ جس قسم کی سہولت ہو، قلیل یا کثیر، پیادہ جائے یا سواری پر۔ بہرحال اعانت وامداد فرض ہے، جیسے کہ غزوۂ خندق کے وقت کہ جب کفار نے حملہ کیا تو سب مسلمانوں پر حسبِ امکان جہاد فرض ہو گیا تھا۔ کسی ایک کو بھی اس جہاد کے ترک کرنے کی اجازت نہیں تھی جیسی کہ ترکِ جہاد کی اجازت ابتداء میں تھی کہ دشمنوں کی طلب میں نکلیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک گھروں میں رہنے والے اور دوسرے اللہ کی راہ میں لڑائی کے لئے نکلنے والے۔ نہ لڑنے والے اور لڑنے والے، بلکہ اس وقت بھی جن لوگوں نے عذر پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے نہ جانے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔

یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَمَا ھِیَ بِعَوْرَۃٍ . اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا

پیغمبر سے گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگیں اور کہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں بلکہ ان کا ارادہ تو صرف بھاگنے ہی کا ہے۔ (احزاب ع:2)

یہ جہاد، قتال و جنگ ! دین اور حرمت وعزت اور جانوں کی مدافعت کے لئے ہے۔اور یہ اضطراری اور مجبوری کے سبب سے لڑنا پڑتی ہے۔اور وہ قتال و جنگ اختیاری ہے۔ دین وملت کی زیادتی اور اضافہ اوراعلاء کلمہ ءدین اور دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھنا مقصود ہے کہ دشمن کسی وقت بھی سراونچا نہ کریں جیسے غزوۂ تبوک وغیرہ۔

تو یہ عقوبت وسزا اس جماعت ممتنعہ اور طاقتور گروہ کے مقابلہ کے لئے ہے لیکن اگر جماعت ممتنعہ اور طاقتور نہیں ہے، اِکّا دُکّا واقعہ ہے تو اس کے لئے یہ عقوبت وسزا نہیں ہے، جیسے کہ اسلامی آبادیوں میں ہوتا رہتا ہے۔ان لوگوں کے لئے امیر وحاکم کا فرض ہے کہ انہیں فرائض، واجبات، سنن و مستحبات کا پابند بنائے ،اور مبانی اسلام ،ضروریاتِ دین، اصولِ اسلام پر عمل کرائے۔اوراس کے لئے مجبور کیا جائے۔اور معاملات کے بارے میں ادائے امانت، وفاء عہد، ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جائے۔

پس جو لوگ نماز ترک کر دیں اور عورتیں عموماً بے نمازی ہوں تو انہیں حکم دیا جائے کہ وہ نماز پڑھیں۔ جو نماز نہ پڑھے اُسے عقوبت وسزا دی جائے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگ جائیں اوراس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ ایسے بے نمازی کو قتل کر دیا جائے۔ پہلے ایسے بے نمازیوں کو توبہ کرنے کا حکم دیا جائے۔اور حکم دے کہ نماز پڑھا کریں۔اگر توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگ جائیں تو بہتر ورنہ قتل کر دیئے جائیں۔

اب انہیں قتل کیا جائے تو کس گناہ کی بنا پر؟ آیا وہ نماز نہ پڑھنے سے کافر ہو جاتے ہیں اس لئے؟ یا مرتد یا فاسق ہو جاتے ہیں اس لئے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب کی رو سے دو قول مشہور ہیں۔ایک قول کی رو سے وہ کافر ہو جاتے ہیں اس لئے قتل کئے جائیں۔ دوسرے قول کے مطابق وہ فاسق ہیں اس لئے۔اور اکثر سلف سے جو منقول ہے وہ اسی کے مقتضی ہیں کہ وہ کافر ہو جاتے ہیں،اس لئے ان کا قتل کرنا واجب ہے۔اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ فرض و وجوب کا اقرار کریں اور نماز نہ پڑھیں۔لیکن ایسا شخص کہ نماز کے فرض و وجوب کا انکار کرتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہے بلکہ چھوٹے

بچوں کے والیوں پر واجب ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں نماز پڑھنے کا حکم کریں۔ جب دس سال کے ہو جائیں تو مار مار کر نماز پڑھائیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا حکم ہے:

مُرُوْهُمْ بِالصَّلٰوةِ بِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا بِعَشْرٍ. وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

بچے جب سات برس کے ہوں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر مارا کرو۔ اور ان کو علیحدہ سلاؤ۔

اسی طرح بچوں کو ضروریاتِ نماز، طہارتِ واجبہ سکھانا بھی ضروری ہے اور ضروریاتِ نماز میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کی مسجدیں آباد کریں۔ ان کے امام وغیرہ مقرر کریں اور انہیں حکم کریں کہ رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھا کریں۔ اور ایسی نماز پڑھائیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (رواه البخاری)

تم ایسی نماز پڑھو جیسی میں پڑھا کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر منبر کی ایک جانب نماز پڑھائی اور پھر فرمایا:

اِنَّمَا فَعَلْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُوا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ

میں نے یہ اس لئے کیا کہ تم میری اقتداء کرو اور تم میری نماز سیکھ لو۔

اور حکمران پر فرض ہے کہ نماز وغیرہ پر پوری نظر رکھے کہ ان کی نماز میں کسی قسم کا نقصان مقصود نہ ہو بلکہ حکمران پر لازم ہے کہ نماز کامل طور پر پڑھائے، جیسے منفرد پڑھتا ہے؛ اس طرح نہ پڑھائے کہ منفرد بوجہ عذر اقتصار بھی کرسکتا ہے۔ امام کا فرض ہے کہ وہ نمازیوں کی تمام ضروریات پر نگاہ رکھے۔

یہی حکم امام حج کا ہے کہ تمام حاجیوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور انہیں حج کی ضروریات سکھائے۔ سپہ سالارِ لشکر کے لئے ضروری ہے کہ وہ لشکریوں پر پوری پوری نگاہ رکھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وکیل اور ولی ﴿یعنی مختار﴾ بیع وشراء پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے مؤکل اور ولی بنانے والے ﴿یعنی چیز

کے مالک ﴿ کے مال کی نگرانی اوراس میں تصرف کس طرح کرتا ہے۔اور جو اصلح ﴿واحسن ﴾طریقہ ہوتا ہے وہ اختیار کرتا ہے؛ یہاں تک کہ اپنا مال ﴿اور کمیشن وغیرہ ﴾بھی کچھ ضائع ہو جائے تو پرواہ نہیں کرتا لیکن اس ﴿مالک ﴾ کے مال کی حفاظت کرتا ہے۔تو یہ دین کا معاملہ ہے جو نہایت اہم ہے۔اور اس معنی کی وضاحت فقہاء نے کی ہے۔ جب والیان امر ﴿ مثلاً: وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، چیف جسٹس، آئی جی پولیس، چیف آف آرمی، نیوی اور ائیر اسٹاف،صوبائی گورنرز، گورنر بینک دولت، وزراء اعلیٰ اور محکمہ جاتی وزراء، ہائی کورٹس کے چیف جسٹس، ماتحت عدالتوں کے جج اور جج ریڈرز، ڈی،سی۔اے،سی، مجسٹریٹ، کمشنر، کسٹم حکام اور ٹیکس افسران، ناظمین اور ناظمین اعلیٰ،کونسلرز وغیرہ وغیرہ﴾، والیان ملک ﴿حاکمِ وقت ﴾لوگوں کے دین کی اصلاح کریں گے تو دونوں گروہ کا دین اور دنیا درست ہو جائے گا۔امیر و والی اور رعایا دونوں فلاح و بہبود کو پہنچیں گے۔ ورنہ معاملہ مضطرب ہو جائے گا،اوران کو حکومت کرنا دشوار ہو جائے گی۔

اوران تمام باتوں کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ رعیت کے لئے حسن نیت اور دین کے لئے اخلاص درکار ہے کہ اللہ کا دین ترقی کرے۔اور وہ اللہ پر توکل وبھروسہ رکھے کیونکہ اخلاص وتوکل ہی دو چیزیں ایسی ہیں جن پر خواص وعوام کی صلاح و بہبود موقوف ہے جیسا کہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم اپنی نماز میں یہ پڑھا کریں:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحۃ)

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ان کلموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ اِن جملوں میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ O اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحۃ)

روز جزا کا حاکم ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

''پڑھتے ہیں تو لوگوں کے سر اپنے کندھوں پر ہل جاتے ہیں''۔

اور اللہ نے قرآن میں بہت سی جگہ اس معنی کو ادا کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ھود ع:1)

تو اسی کی عبادت کرو، اور اسی پر بھروسہ رکھو۔

اور فرمایا:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

میں تو اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

جب نبی کریم ﷺ اپنے اضحیہ ﴿یعنی قربانی کے جانور﴾ کو ذبح کرتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ اِلَيْكَ

اے اللہ! یہ تیری جانب سے اور تیرے ہی لئے ہے۔

سب سے زیادہ، سب سے بڑی اعانت و امداد، جو ولی الامر اور حاکم ﴿وقت﴾ اور رعایا کو ملتی ہے وہ ان تین اُمور سے ملتی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص، اسی رب پر توکل اور اُسی احکم الحاکمین سے دعا۔ اور اس کی محافظت نماز میں قلب و جسم کی محافظت سے ہوتی ہے۔

دوسرا یہ کہ مخلوق پر احسان کہ وہ (یعنی ولی الامر/ حاکم یا قائد) اپنے مال سے لوگوں کو نفع پہنچائے، اور وہ زکوٰۃ وصدقات اور خیرات ہے جس سے نفع پہنچایا جا سکتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ مخلوق کی ایذاء اور تکلیف پر صبر کرے۔ صبر سے کام لے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نماز اور صبر کو جمع کر دیا ہے، فرماتا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرة45:)

اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔

اور فرماتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ اِنَّ الۡحَسَنَاتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّئَاتِ ذَالِکَ ذِکۡرٰی لِلذَّاکِرِیۡنَ o وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ o

اور دن کے دونوں سرے صبح وشام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ جو لوگ ذکر کرنے والے ہیں، ان کے حق میں یہ یاد دہانی ہے۔ اور عبادت کی تکلیف برداشت کرو کیونکہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ (ھود۔ ع:1)

اور فرماتا ہے:

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا (طه:130)

تو جیسی باتیں یہ کرتے ہیں، ان پر صبر کرو اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔

اور فرماتا ہے:

وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ o فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَکُنۡ مِّنَ السَّاجِدِیۡنَ o (حجر:97-98)

اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ کافر جیسی جیسی باتیں کہتے ہیں، ان کی وجہ سے تم تنگ ہوتے ہو۔ تو تم اپنے رب کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور اس کی جناب میں سجدے کرو۔

اور نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور صبر سے حکمران اور رعایا، امیر وغریب دونوں کی اصلاح ہوتی ہے؛ جب ایک انسان اس معنی کو سمجھ لے، اور سمجھ کر نماز پڑھے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائے، دعا کرے، اللہ کے قرآن کی، کتاب کی تلاوت کرے اور اخلاصِ دین اور توکل علی اللہ کے ساتھ نماز پڑھے اور زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ اللہ کی مخلوق پر احسان

کرے، مظلوم کی نصرت و امداد کرے، غریب مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرے، اور محتاجوں کی حاجتیں پوری کرے۔ صحیحین میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

ہر اچھی بات صدقہ ہے۔

معروف میں ہر قسم کا احسان داخل ہے۔ کھلی پیشانی سے پیش آنا۔ کلمہ طیبہ، اچھی بات کہنا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ صحیحین میں سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَ وَبَيْنَهُ حاجِبٌ وَلَا تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرَ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ وَ يَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ فَيَنْظُرُ اَمَامَهُ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ. فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتقِى النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمَرَةٍ. فَلْيَفْعَلْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ

تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے بات چیت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس (بندے) کے درمیان نہ کوئی پردہ ہوگا نہ ترجمان۔ یہ اپنے داہنے کو دیکھے گا تو اسے وہی چیز نظر آئے گی جو اس نے پہلے بھیجی ہے اور بائیں جانب دیکھے گا تو وہی چیز نظر آئے گی جو اس نے پہلے بھیجی ہے۔ آگے دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پس جو شخص تم میں سے چاہے کہ آگ سے بچ جائے تو صدقہ وخیرات کرے، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی یہ بھی نہ پائے تو اچھی بات کرے اور جہنم کی آگ اپنے اوپر ٹھنڈی کرلے۔

اورسنن کے اندر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ وَ وَجْهُكَ اِلَيْهِ مُنْبَسِطٌ وَلَوْ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ الْمُسْتَسْقِىْ

تم معروف اور احسان کو حقیر مت سمجھو۔ اگرچہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات

کرو، اوراگرچہ تم اپنے ڈول سے پانی پینے والے کے برتن میں پانی ڈال دو

اورسنن کے اندر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

اَنَّ اَثْقَلَ مَا یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ

بھاری سے بھاری، وزنی چیز جو میزان میں رکھی جائے گی، اچھے اخلاق ہوں گے۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، آپ نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

یَا اُمَّ سَلَمَۃَ ذَھَبَ حُسْنُ الْخُلُقِ بِخَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

اے اُمّ سلمہ: حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائی ساتھ لے گیا۔

صبر میں لوگوں کی تکالیف وایذا برداشت کرنا، غصہ کو پی جانا، لوگوں کو معاف کر دینا، اور خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا، شر اور فخر وغرور ترک کرنا وغیرہ داخل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَۃً ثُمَّ نَزَعْنَاھَا مِنْہُ اِنَّہٗ لَیَؤُسٌ کَفُوْرٌ o وَلَئِنْ اَذَقْنَاہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّئَاتُ عَنِّیْ اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ o اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُوْلٰٓئِکَ لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَ اَجْرٌ کَبِیْرٌ

(ھود:9-10)

اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی چکھائیں پھر اس کو اس سے چھین لیں تو وہ نا اُمید ہو جانے والا ناشکرا ہے۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہو، اور اس کے بعد ہم اس کو آرام چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ مجھ سے سب سختیاں دور ہو گئیں کیونکہ وہ بہت ہی خوش ہو جانے والا شیخی خور ہے۔ مگر جو لوگ صبر اور نیک عمل کرتے ہیں، یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

اور اپنے پیغمبر ﷺ سے خطاب کرکے فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ

وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ o وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ o وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (حم سجدہ: 34-36)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کا دفیعہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو، تو تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ گرمجوش دوست ہو جائے گا۔ اور حسن معاملات کی توفیق ان ہی کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ ان ہی کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں اور اگر تم کو کسی طرح کا شیطانی وسوسہ گدگدائے تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کرو کہ وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ جَزَآؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ . (الشوریٰ:40)

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اذا کان یوم القیامة نادیٰ مناد من بطنان العرش الا لیقم من وجب اجره علی الله فلا یقوم الا من عفا و اصلح .

قیامت کے دن عرش کے نیچے سے فرشتے پکاریں گے کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کا اجروثواب واجب ہو گیا ہے تو کوئی کھڑا نہ ہوگا سوائے اس کے کہ جس نے معاف کیا اور اصلاح کی۔

رعایا کے ساتھ نیک نیتی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کیساتھ وہ احسان کیا جائے جو ان کی خواہش ہو

اوروہ چھوڑ دیا جائے جس کو وہ مکروہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ .

اور اگر حق ان کی خواہش کے مطابق ہوا کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے درہم برہم ہو گیا ہوتا۔ (المؤمنون: 71)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ خطاب کرتا ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ.

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں؛ بہت سی باتیں (ایسی) ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم ہی پر مشکل پڑ جائے۔ (الحجرات: 7)

احسان یہ ہے کہ دین و دنیا میں جو ان کے لئے مفید ہو وہ کیا جائے اگر چہ وہ اسے مکروہ اور برا ہی کیوں نہ سمجھیں، لیکن امیر و والی ﴿یعنی حاکمِ وقت﴾ کا فرض ہے کہ جسے وہ مکروہ سمجھتے ہوں اور ان کے لئے مفید ہے تو رفق و نرمی کا سلوک کر کے ان کو منوائے جیسا کہ صحیحین میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

ماکان الرفق فی شیء الا زانه ولا کان العنف فی شیء الا شانه .

جب کسی چیز میں نرمی و آسانی کی جائے تو وہ خیر و برکت لاتی ہے، اور جب کسی چیز میں سختی کی جائے تو وہ برائی لاتی ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الله رفیق یحب الرفق و یعطی علی الرفق مال ایعطی علی العنف.

بیشک اللہ تعالیٰ بُردبار ہے، بُردباری اور نرمی پسند فرماتا ہے، اور بُردباری و نرمی کرنے والے کو وہ کچھ دیتا ہے جو ترش رو ﴿اکھڑ مزاج﴾ کو نہیں دیتا۔

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان کو ایک مرتبہ حق نکال دوں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ وہ اس سے نفرت کریں گے تو میں صبر کر جاتا ہوں یہاں تک کہ میٹھی دنیا میرے پاس آ جائے تو میں ان کو ساتھ ہی ساتھ ان کا حق دے دوں اگر اس سے نفرت کریں تو دوسری چیز سے ان کو سکون واطمینان حاصل ہو جائے۔

یہی حال رسول اللہ ﷺ کا تھا کہ جب کوئی شخص حاجت لے کر آتا تو اس کی حاجت پوری فرما دیتے، یا آسان، خوش کن جواب دے دیتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے قرابتدار نے متولی اوقات بننے کی خواہش کی اور کہا اس میں کچھ روزینہ مقرر کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الصدقة لا تحل لمحمد ولا لال محمد.

صدقہ محمد (ﷺ) اوران کی آل کے لئے جائز نہیں ہے۔

اور آپ ﷺ نے صدقہ سے بالکل منع فرما دیا اور فے کے مال میں سے کچھ دے دیا۔ ایک مرتبہ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کی پرورش کے لئے تین دعویدار کھڑے ہو گئے، سیدنا علی رضی سیدنا زید اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہم۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حقِ پرورش مجھے پہنچتا ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حقِ پرورش مجھے پہنچتا ہے اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حقِ پرورش مجھے حاصل ہے لیکن آپ ﷺ نے کسی کے حق میں بھی فیصلہ نہیں دیا اور لڑکی کی خالہ کو دے دیا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اور ہر ایک کو کلمہء حسنہ (اچھی باتوں) سے خوش کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت منی و انا منک .

تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا:

اشبهت خلقی و خلقی .

تم میرے خلق ﴿شکل وشباہت﴾ اوراخلاق کے مشابہ ہو۔

اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے کہا:

انت اخونا و مولینا .

تم ہمارے بھائی ہو ہمارے مولیٰ ہو۔

ولی الامر ﴿وزیرخزانہ﴾ اور حاکمِ ﴿وقت﴾ کو تقسیمِ مال اور دوسرے احکام دینے میں ایسا ہی ہونا چاہیئے کیونکہ لوگ ہمیشہ ولی الامر اور حاکم سے ایسی ایسی چیزیں مانگتے رہتے ہیں جو ان کو نہیں دی جاسکتیں مثلاً ولایت ﴿افسری﴾ وحکومت ﴿یعنی گورنری﴾، مال یا منافع مال اور حدود وغیرہ میں سفارش وغیرہ پورا کرنا۔ اور یہ سوال ان کا پورا نہیں کیا جاسکتا تو ان کو دوسرے طریقہ سے دوسری چیز دے کر خوش رکھنا چاہیئے اور غفلت وسختی نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ اس کی ضرورت نہ ہو کیونکہ سائل کے سوال کو مسترد کرنا، اُسے سخت تکلیف دہ ہوتا ہے خصوصاً ایسے لوگ کہ جن کی تالیفِ قلوب ضروری ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلاَ تَنۡهَر . (ضحیٰ:10)

اور نہ سائل کو جھڑکا کرو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتِ ذَاالۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَلاَ تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا O الی قوله وَ اِمَّـا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّکَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلاً مَّیۡسُوۡرًا.

(بنی اسرائیل:26-28)

اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور مال و دولت بے جا مت اڑاؤ.......... اور اگر تمہیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو، ان غرباء سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے اُن کو سمجھا دو۔

توجب کسی شخص کواس کی طلب و مانگ کے خلاف دیا جاتا ہے تو اُسے تکلیف ہوتی ہے، ایسے موقع پر قول وعمل سے اُسے خوش رکھنا کامل ترین سیاست ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ حکیم و ڈاکٹر کسی کو مکروہ اور کڑوی دوائی دیدے اور پھر اُسے ایسی چیز دے جو اس کا نعم البدل ہوجائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو اُن کو کہا گیا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طه:44)

پھراس سے نرمی سے بات کروشاید وہ سمجھ جائے یا ہمارے عتاب سے ڈرے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری کو یمن کی طرف بھیجا تھا۔فرمایا:

يسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا

لوگوں کے ساتھ آسانی برتنا، سختی نہ کرنا، خوش رکھنا، متنفر نہ کرنا، باہم ایک دوسرے کی اطاعت کرنا، اختلاف نہ کرنا۔(بخاری ومسلم)۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد کے اندر پیشاب کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوگئے اور اُسے ڈانٹنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُزْرِمُوْهُ عَلَيْهِ بَوْلَهٗ (بخاری و مسلم)

اس کا پیشاب بند نہ کرو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے پانی کا ڈول منگوا کر پیشاب پر بہا دیا۔اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ (بخاری و مسلم)

اللہ نے تمہیں آسانی دے کر بھیجا ہے، سختی کرنے کو نہیں بھیجا۔

اس سیاست کی ضرورت انسان کو اپنے لئے، اپنے گھر کے لئے اور ولی الامر/حکمران کو رعایا کی

نگہداشت کے لئے ضروری ہے، کیونکہ نفس انسانی کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ حق بات جلدی قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس کو محظوظ اور خوش کن اور ضروری چیزوں سے خوش نہ کیا جائے اور اس کی احتیاج و ضرورت پوری نہ کی جائیں۔ تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور بھلی باتیں کرنا بھی عبادت الٰہی میں داخل ہے، اور یہ اُمور بھی طاعتِ الٰہی ہے، بشرطیکہ نیت نیک ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ کھانا پینا، لباس اور کپڑے انسان کیلئے واجب ہیں، اور عام علماء کرام کا اس پر فتویٰ ہے، اگر اس نے حالت اضطراری میں نہیں کھایا اور وہ مر گیا تو دوزخی ہوگا کیونکہ عام عبادتیں اس کے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔ اور جس چیز کے بغیر واجب انجام نہ پائے اس کا کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور اسی لئے انسان پر اپنی جان اپنے اہل وعیال کا نفقہ دوسروں کے مقابلہ میں پہلے ہے جیسا کہ سنن کے اندر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقُوْا صدقہ دیا کرو۔

ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس ایک دینار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ عَلٰی نَفْسِکَ

اپنی جان پر صدقہ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰی زَوْجِتِکَ

اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس تیسرا دینار بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰی وَلَدِکَ

اسے اپنے لڑکے پر خرچ کرو۔

اس نے کہا چوتھا دینار بھی میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ عَلٰی خَادِمِکَ

اپنے خادم پر اسے خرچ کرو۔

اس نے کہا پانچواں دینار بھی میرے پاس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ اَبْصَرُ بِہٖ

تم اُسے خوب جانتے ہو کہ کہاں خرچ کرنا چاہیئے۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ دِیْنَارًا اَنْفَقْتَہٗ فِیْ رَقْبَۃٍ وَ دِیْنَارًا تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ وَ دِیْنَارًا اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ اَعْظَمُھَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ (رواہ مسلم)

ایک دینار تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور ایک دینار غلام آزاد کرنے میں خرچ کرو، ایک دینار تم مسکین کو دو، ایک دینار اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، سب سے بڑا اجر اس میں ہے، جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔

اور صحیح مسلم میں ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِبْنَ اٰدَم اِنَّکَ تُبْذِلُ الْفَضْلَ خَیْرٌ وَاِنْ تُمْسِکَ شَرٌّ لَکَ وَلَا تُلَامُ عَلٰی کَفَافٍ. وَ ابْدَا بِمَنْ تَعُوْلُ وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُفْلٰی

اے ابن آدم فاضل مال کو خرچ کرنا تمہارے لئے بہتر ہے روکے رکھنے سے، اور کفاف پر ملامت نہیں کی جائیگی، جن کی عیالداری کر رہے ہو، اس کے لئے خرچ کرو، اور اوپر کا ہاتھ (دینے والا) نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔

اور یہی تاویل وتفسیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی ہے:

وَیَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوِ (بقرۃ:219)

اور تم سے دریافت کرتے ہیں کتنا خرچ کریں تو سمجھا دو جتنا تمہاری حاجت سے زیادہ ہو۔

عفو کے معنی فضل کے ہیں کہ مال فاضل ہو، اس لئے کہ اپنی جان، اور اپنے اہل وعیال کا نفقہ فرضِ عین ہے، بخلاف جہاد فی سبیل اللہ اور غزوات میں خرچ کرنا، اور مساکین کو دینا، یہ فرض کفایہ ہے، یا مستحب، البتہ کبھی کبھی فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس وقت جبکہ کوئی دوسرا دینے والا نہ ہو، کیونکہ بھوکے کو کھانا کھلانا فرض عین ہے، اور اسی بناء پر حدیث میں وارد ہے:

لَوْ صَدَقَ السَّائِلِ لَمَّا اَفْلَحَ مَنْ رَدَّهُ (مسند احمد)

اگر سائل سچا ہے تو اُسے ردّ کرنے والا فلاح کو نہیں پہنچے گا۔

ابو حاتم بستی رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں علم وحکمت کی بہت سی باتیں ہیں۔ آل داؤد علیہ السلام کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عقلمند پر یہ حق ہے کہ اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کر دے۔ ایک گھڑی اپنے رب کے حضور میں مناجات، دعاء کرے، اور ذکر وفکر میں صرف کرے۔ ایک گھڑی اپنے نفس اپنی جان کا محاسبہ کرے، ایک گھڑی دوست واحباب سے مل بیٹھے جو اس کو اس کے عیوب سے باخبر کریں، اور ایک گھڑی حلال وجمیل لذتوں سے بہرہ ور ہو کیونکہ اس گھڑی سے دوسری گھڑیوں کو مدد ملا کرتی ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مباح اور اچھ جائز لذتوں میں وقت خرچ کرنا بھی ضروری ہے، اس سے دوسری ساعتوں کو تقویت پہنچتی ہے، اور اسی لئے فقہاء نے کہا ہے: دین ومروت کی اصلاح و بہبود ہی عدالت ہے۔

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

''میں کبھی کبھی باطل سے بھی جان کو خوش کرلیا کرتا ہوں تاکہ حق کے لئے مجھے مدد ملے''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لذتیں، شہوتیں اسی لئے پیدا کی ہیں کہ مخلوق کی مصلحتیں ان سے پوری ہوتی

ہیں،اوراس سے اپنے فوائدومنافع حاصل کرلیا کرتے ہیں۔مثلاً غضب وغصہ کواس لئے پیدا کیا کہ اس کے ذریعہ ضرررساں اورتکلیف دہ چیزوں کی مدافعت ہو سکے اورشہوتیں وہی حرام کی ہیں جو ہمارے لئے مضرت رساں ہیں۔لیکن وہ مباح اور جائز شہوات جن کے ذریعہ حق پر چلنے کی استطاعت ملتی ہو،تو ایسی شہوات اعمال صالحہ نیک کام ہوں گے۔اوراسی لئے حدیث میں وارد ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَفِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةٌ

(اپنی) بیوی سے خلوت کرنا بھی صدقہ ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا اپنی شہوت پوری کی جائے ،اس میں بھی اجر وثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَرَاَیْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِیْ حَرَامٍ اَمَا کَانَ عَلَیْهِ وِزْرٌ؟

اگر وہ حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ نہ ہوتا؟

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہاں کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

فَلِمَ تَحْسَبُوْنَ بِالْحَرَامِ وَلَا تَحْسَبُوْنَ بِالْحَلَالِ؟

حرام کا تو حساب لگاتے ہو،اورحلال کا حساب نہیں لگاتے؟

اور صحیحین میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفْقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰہِ اِلَّا ازْدَدْتَّ بِهَا دَرَجَةً وَ رِفْعَةً حَتّٰی اَللُّقْمَةَ تَضَعُهَا فِیْ فَمِ امْرَأَتِکَ

تم اللہ کی رضامندی میں خرچ کرتے ہو اس سے تمہارا درجہ بڑھتا ہے۔ رفعت و بلندی حاصل ہوتی ہے۔ یہانتک کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھ دو تو یہ بھی کارِثواب ہے۔

اوراس بارے میں آثار بیشمار ہیں، اگر مومن نیت صالح رکھ کر اپنے اعمال وافعال انجام دے تو ہر وقت

ہر کام سے بڑے سے بڑا اجر وثواب حاصل کرسکتا ہے، اور صالح اعمال وافعال جو مباح ہیں ان کے قلوب کی صلاح کر سکتے ہیں۔ اور منافق کے لئے فسادِ قلب، فسادِ نیت کا موجب ہوتے ہیں، اور اس کو عقاب سزا اس کے اعمال وافعال ہی سے ملتی ہے، اس کی عبادتیں ریا کارانہ ہوتی ہیں جو بجائے فائدہ کے اس کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلا فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلحَتْ صَلُحي لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ اَلا وَهِیَ الْقَلْبُ

آ گاہ رہو جسم میں ایک لوتھڑا ایسا ہے جو اگر وہ اچھا ہو تو سارا جسم اچھا ہوتا ہے، جب وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، آ گاہ رہو کہ وہ قلب (دل) ہے۔

باب 20 (Chapter) کے مضامین

عقوبتیں، سزائیں اس لئے مشروع کی گئی ہیں کہ فرائض وواجبات پر عمل کرایا جائے، اور حرام اُمور سے بچا جائے، اس لئے ایسی چیزیں پیش کرنی چاہیئے جو خیر وطاعات کی طرف رغبت دلائے، اور ایسی چیزوں سے روکا جائے جو برائی اور شر کی رغبت دلائے۔

عقوبتیں اور سزائیں واجبات پر عمل کرنے اور محرمات سے بچنے کے لئے ہیں، اور اس لئے ہر وہ چیز مشروع ہے جو اس کے لئے معین ومددگار ثابت ہو۔ اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے طریق خیر وطاعات اور اس کی ترغیب وتحریص ہو، اور خیر وطاعت میں معین ومددگار ثابت ہو، اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی طرف توجہ دلائی جائے، مثلاً لڑکوں پر، اہل وعیال پر اور اگر امیر ووالی ﴿افسر یا حاکم﴾ ہو تو رعایا پر صرف کیا جائے۔ اور ایسے طریقہ سے صرف کیا جائے کہ ان کے جذبات برانگیختہ ہوں، مال پیسوں سے ہو یا تعریف وستائش سے یا کسی اور طریقہ سے۔ اور اسی لئے شریعت نے مسابقت بالخیل یعنی گھڑ دوڑ اور اونٹ دوڑانے میں بازی لے جانا، نیزہ وغیرہ چلانے میں قوت خرچ کرنا مشروع فرمایا

ہے۔خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم گھڑ دوڑ کی مسابقت میں شرکت کیا کرتے تھے، اور بیت المال کے گھوڑے اس مسابقت میں لاتے تھے، اور یہی کیفیت مؤلفۃ القلوب کی ہے، مؤلفۃ القلوب کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے ''ایک آدمی شروع میں یعنی صبح کو اسلام اس لئے قبول کرتا ہے کہ اسے دنیا مطلوب ہوتی تھی، لیکن آخر دن یعنی شام کو وہ اس قدر پختہ اسلام ہوتا ہے کہ ہر چیز اور ہر آدمی سے اسے اسلام زیادہ محبوب ہوتا ہے، اور سب سے زیادہ اس کا اسلام پسندیدہ ہوتا ہے''۔

یہی حال شر و معصیت کا ہے، شر اور معصیت کا جو اصل مادہ ہے اسے جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ دینا چاہیئے۔ گناہ کے ذرائع و وسائل کا سدباب کر دینا چاہیئے۔ جو چیزیں بھی شر و معصیت کی طرف منفی ہوں، پوری قوت سے ان کی مدافعت کرنی چاہیئے جب تک کہ کوئی ایسی مصلحت راجحہ اس کے خلاف نہ ہو کہ جس کی وجہ سے خاموشی اختیار کی جائے۔اس کی مثال خود رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ملتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لَایَخْلُوَنَّ الرَّجُلُ بِامْرَأَتٍ فَاِنَّ ثَالِثَهَا الشَّیْطَانُ

کوئی غیر مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے، کیونکہ تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا یَحِلُّ لَامْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمَیْنِ اِلَّا مَعَهَا زَوْجٌ اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ

جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لئے جائز نہیں کہ دو روز کا سفر بھی بلا شوہر یا بلا ذی محرم کے کرے۔

نبی کریم ﷺ نے اجنبی عورت کے ملنے، اور تنہا سفر کرنے سے اسی لئے روکا اور منع فرمایا کہ شر و معصیت کا سدباب ہو جائے اور شر و معصیت کے مادہ کی جڑیں کاٹ دی جائیں۔

امام شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے، جب عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس میں ایک حسین وخوبصورت لڑکا بھی تھا۔ آپ نے اُسے دیکھا اور اپنی پشت کے پیچھے بیٹھنے سے اُسے حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جناب داؤد علیہ السلام کی خطا اور گناہ یہی نظر ونگاہ تھی۔

جب امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ایک عورت چند اشعار پڑھ رہی ہے، اوران اشعار میں یہ شعر بھی تھا:

هَلُ مِنُ سَبِيُلٍ اِلٰى خَمُرٍ فَاَشُرَبَهَا؟

هَلُ مِنُ سَبِيُلٍ اِلٰى نَصُرِ بُنِ حَجَّاجِ؟

یعنی: کیا شراب مجھے کسی راستے سے مل سکتی ہے؟ کیا کوئی راہ نصر بن حجاج سے ملنے کی ہے؟

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی وقت نصر بن حجاج کو بلایا، دیکھا وہ جوان نہایت حسین و خوبصورت ہے۔ آپ نے اس کا سر منڈوا دیا، لیکن اس سے اس کی خوبصورتی اور حسن زیادہ ابھر آیا تو آپ نے اُسے بصرہ جلاوطن کر دیا تا کہ مدینہ کی عورتیں فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ کسی شخص کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس بہت سے لڑکے بیٹھا کرتے ہیں، آپ نے لڑکوں کو اس کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا اور کہہ دیا کہ اس کے پاس مت بیٹھا کرو۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایسے آدمی کی مجالس اور ہم نشینی سے بھی منع کر دیا جس سے فتنے کا اندیشہ ہو اور مردوں یا عورتوں کے لئے فتنہ کا سبب ہوں۔ ایسے لڑکوں کے والیوں کا فرض ہے کہ وہ بلا ضرورت انہیں گھر سے باہر نہ نکلنے دیں۔ بن سنور کر نکلنے اور خوشبو لگانے سے روکیں۔ حمام وغیرہ میں نہ جانے دیں۔ اگر جائے تو کپڑے وغیرہ نہ اتارنے دیں۔ لہو ولعب ﴿کھیل تماشے﴾، گانے بجانے کی مجلسوں میں نہ جانے دیں۔ ایسے اُمور میں تعزیر کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جس آدمی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ فسق و فجور میں مشہور ہے، اُسے خوبصورت غلام کا

مالک بننے سے روکا جائے۔ اور غلاموں میں اور اس میں تفریق کروا دی جائے کیونکہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اگر ایسا آدمی شہادت دے جو مشہور قسم کے فسق میں مبتلا ہے، تو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ اور فریق ثانی کو حق پہنچتا ہے کہ اس کی شہادت پر جرح کرے، اگرچہ اس نے دیکھا نہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وَجَبَتْ! واجب ہوگئی۔

اس کے بعد دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے کہا یہ بہت ہی بُرا آدمی تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وَجَبَتْ! واجب ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ دونوں کے متعلق آپ نے یہی فرمایا کہ ''وَجَبَتْ'' کیا وجہ ہے اور کیا واجب ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

هٰذِهِ الْجَنَازَةُ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهَا خَيْرًا فَقُلْتُ وَجَبَتْ لَهَا الْجَنَّةُ. وَ هٰذِهِ الْجَنَازَةُ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهَا شَرًّا فَقُلْتُ وَجَبَتْ لَهَا النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ لِلّٰهِ فِى الْاَرْضِ

پہلے جنازہ کی تم نے تعریف کی تو میں نے کہا: اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے جنازہ کی تم نے مذمت اور برائی کی تو میں نے کہا: اس کیلئے دوزخ واجب ہوگئی۔ کیونکہ تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت ایسی تھی جو اعلانیہ فسق و فجور کیا کرتی تھی۔ اس کے متعلق آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا بغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ هٰذِهِ

اگر گواہوں کے بغیر میں کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا۔

کیونکہ حدود گواہوں کے بغیر یا اقرار کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتیں، لیکن ایسے آدمی کی شہادت اور امانت وغیرہ میں معائنہ وغیرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لئے عام شہرت کافی ہے، اگر مشہور نہ ہو، کم درجہ کی

شہرت ہوتو اس کے دوستوں کو دیکھ کر دلیل لا سکتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِعۡتَبِرُوا النَّاسَ بِاَخۡدَانِهِمۡ

لوگوں کا اعتبار اس کے دوستوں کے لحاظ سے کرو۔

دیکھا جائے کہ اس کے دوست کس قسم کے ہیں؟ اور یہ مدافعت شر ہے، اس سے اجتناب و احتراز لازم ہے جیسے دشمن سے اجتناب و احتراز لازم ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِحۡتَرِسُوا النَّاسَ بِسُوۡءِ الظَّنِّ

لوگوں کے سوءِ ظن سے بھی بچا کرو۔

یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حکم ہے حالانکہ سوءِ ظن کی بنا پر عقوبۃ وسزا جائز نہیں ہے۔

باب 21 (Chapter) کے مضامین

حدود وحقوق، بلا وجہ، بلا سبب کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، قیامت کے دن خون ناحق کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا۔ قصاص لینے میں زندگی ہے۔

کسی متعین اور مقرر شخص کے حدود وحقوق ہو، ان میں کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، کسی کو ہلاک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا. وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ. نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ. وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ. وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ. ذٰلِكُمۡ وَصّٰىكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ. لَا نُكَلِّفُ

نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى وَبِعَهۡدِ اللّٰهِ اَوۡفُوۡا ذٰلِكُمۡ وَصّٰىكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ذٰلِكُمۡ وَصّٰكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ

(انعام:151-153)

لوگوں سے کہو اِدھر آ ؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، وہ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک مت ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو۔ اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر اور جو پوشیدہ ہوں ان میں سے کسی کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اور وہ جان جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا، مگر حق پر، یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم اللہ نے تم کو دیا ہے، تا کہ دنیا میں رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طور پر کہ بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کرو، اور پوری پوری تول۔ ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے، اور جب بات کہو تو گو قرابت داری ہی ہو، انصاف کرو۔ اور اللہ سے جو عہد ہے اس کو پورا کرو، یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ کہ یہی ہمارا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ جانا کہ یہ تم کو اللہ کے راستے سے تتر بتر کر دیں گے، یہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ يَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَاً ...... الی قولہ ...... وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا

عَظِیۡمًا o (النساء. ع:13)

کسی مسلمان کے لئے روانہیں کہ مسلمان کو جان سے مارڈالے مگر غلطی سے......الی قولہ ......اور جومسلمان کو دیدہ ودانستہ قتل کرے تو اس کی سزادوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔اوراس پر اللہ کا غضب ہوگا اوراس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔اور اللہ نے اس کیلئے بڑا سخت عذاب تیارکررکھا ہے۔

اوراللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ اَنَّہٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِیۡ الۡاَرۡضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا وَمَنۡ اَحۡیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحۡیَا النَّاسَ جَمِیۡعًا o **(المائدہ:32)**

اس واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کوتحریری حکم دیا کہ جوکوئی جان کے بدلہ نہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے طور پرنہیں بلکہ ناحق کسی کوقتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو مارڈالا،اور جس نے مرتے کو بچالیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔

اورصحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا یُقۡضٰی بَیۡنَ النَّاسِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ فِی الدِّمَاءِ (بخاری و مسلم)

قیامت کے دن سب سے پہلے جس کا فیصلہ ہوگا وہ ناحق خون کا ہوگا۔

قتل وخون تین قسم کا ہے: ایک قتل عمداً ہے جس میں خطا اور شبہ خطاء کا احتمال ہی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کو بے گناہ قتل کردیا۔جیسا کہ عام طورپر قتل ہوا کرتا ہے۔مثلاً تلوار سے کسی کو ماردینا، یا خنجر اور چھری سے، یا ہتھوڑے یا پھاوڑے، کدال یا کلہاڑی، تیروغیرہ سے یا گولی مارکرقتل دینا، یا جلاکر ماردینا، یا غرق کردینا، یا منہ بندکرکے ماردینا، یا زہرخورانی سے ماردینا، وغیرہ وغیرہ۔تو اس قتل میں حدجاری ہو گی۔اورمقتول کے اولیاء اورورثاء کوحق ہوگا کہ چاہیں تو اُسے قتل کریں، چاہیں معاف کردیں۔اوراگر

چاہیں دیت وخون بہا لے کر چھوڑ دیں۔مقتول کے اولیاء و ورثاء کو جائز نہیں ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل کردیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطَانًا فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل:33)

اور کسی کی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، ناحق قتل نہ کرو، اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اُس کے والی کو اختیار دیا ہے تو اس کو چاہیئے کہ خون میں زیادتی نہ کرے کیونکہ واجبہ بدلہ لینے میں اس کی جیت ہے۔

اس آیت کی تفسیر یہی کی گئی ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو قتل نہ کیا جائے۔

اور سیدنا ابی شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اُصِیْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ فَھُوَ بِا لْخِیَارِ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلَاثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَۃَ فَخُذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ اَنْ یَّقْتُلَ اَوْ یَعْفُوْ اَوْ یَاْخُذَ الدِّیَۃَ فَمَنْ فَعَلَ شَیْئًا مِّنْ ذَالِکَ فَعَادٍ فَاِنَّ لَہٗ جَھَنَّمَ خَالِدًا مّخَلَّدًا فِیْھَا اَبَدًا (رواہ اھل سنن)

جو خون ہو جائے یا خطرناک حالت میں پایا جائے اور پھر مر جائے تو تین راستے ہیں جو چوتھا راستہ اختیار کرے اُسے روکو۔ایک یہ کہ قاتل کو قتل کردے، دوسرا یہ کہ اُسے معاف کر دے، تیسرا یہ کہ دیت وخون بہا لے کر چھوڑ دے۔ان تین طریقوں کے علاوہ کوئی چوتھا راستہ اختیار کرے تو وہ زیادتی کر رہا ہے، اس کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے۔

اگر کوئی شخص معاف کر دے، معاف کرنے کے بعد یا دیت وخون بہا لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دے تو یہ بہت بڑا جرم ہے، ابتداءً قتل کرنے سے بھی بہت سخت جرم ہے، یہاں تک کہ بعض علماء کا قول ہے، اسے بطور حد قتل کیا جائے، اور مقتول کے اولیاء و ورثاء کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے قتل کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذَالِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذَالِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ. ع:22)

جو لوگ تم میں مارے جائیں ان میں تم کو جان کے بدلہ میں جان کا حکم دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو اس کے بھائی سے قصاص کا کوئی جز معاف کر دیا جائے، تو مطالبہ دستور شرع کے مطابق اور قاتل کی طرف سے وارثِ مقتول کو خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے، اور عقلمندو! قصاص (قتل کے بدلے قتل کر دینے) میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو۔

علماء کہتے ہیں: مقتول کے اولیاء و ورثاء کے قلوب غیظ و غضب سے لبریز ہوتے ہیں ان کا بس چلے تو قاتل اور قاتل کے اولیاء و ورثاء کو بھی قتل کر دیں۔ بسا اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ قاتل پر بس نہیں کرتے بلکہ قاتل کے ساتھ ہی ساتھ اس کے عزیزوں، قرابتداروں کو بھی قتل کر دیتے ہیں، قاتل کے قبیلہ کے سردار یا مقدم و پیشوا کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اور یہ نہایت خطرناک صورت ہے۔ اصل قاتل نے تو ابتداء میں ظلم کیا، لیکن مقتول کے اولیاء اور ورثاء نے خون کا بدلہ لینے میں جو ظلم و جور اور زیادتی کی ہے اصل قاتل نے نہیں کی۔ اور وہ کام کیا جو شریعت سے خارج اہل جاہلیت کیا کرتے تھے کہ شہری اور دیہاتی سب کے سب اس میں مبتلا ہو جاتے تھے اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا تھا۔ مقتول کے اولیاء قاتل کے اولیاء کو قتل کر دیتے تھے اور ان قاتل اولیاء کے قاتلوں کو دوسرا فریق قتل کر دیتا تھا یہاں تک کہ بسا اوقات دونوں فریق اپنا اپنا جتھا بنا لیتے تھے۔ اپنے اپنے حلیف بنا لیتے تھے، ایک قوم

ایک کی مدد کرتی، دوسری قوم دوسرے فریق کی اعانت و مدد کرتی۔ اور اس طرح یہ فتنوں کا دروازہ کھل جاتا اور انتہائی بغض وعناد اور کینہ ان میں گھر کر جاتا، اس کا سبب یہی ہوا کرتا تھا کہ یہ لوگ عدل و انصاف کو بالکل چھوڑ دیتے تھے، اور قصاص پر اکتفانہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر قصاص فرض کر دیا ہے۔ اور قصاص کے معنی یہی ہیں کہ قتل کے بارے میں مساوات اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ زیادتی نہ کی جائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ قصاص سے قاتل کے اولیاء اور ورثاء کی خونریزی بند ہو جاتی ہے، غیر قاتل بچ جاتے ہیں، اور فتنہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے معلوم ہو جائے کہ قصاص میں یہ بھی مارا جائے گا تو قتل کرنے سے باز رہتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُ هُمْ وَ هُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ وَ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَا هُمْ اَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ

تمام مسلمانوں کے خون مساوی اور برابر ہیں اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں اور ذمیوں سے اچھا سلوک کرنے میں ادنی اعلیٰ پوری کوشش کرتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے، اور نہ متعاہد کو جب تک کہ وہ اپنے عہد پر قائم ہے۔ (رواہ احمد و ابی داؤ دوغیرہما من اہل سنن)۔

رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون مساوی اور بلا امتیاز تمام برابر ہیں، عربی کو عجمی پر، قریشی ہاشمی کو غیر قریشی ہاشمی پر اور اصلی حر کو مولیٰ عتیق پر، عالم کو جاہل پر، امیر کو رعایا پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ اور یہ تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہے بخلاف اہل جاہلیت اور حکام یہود کے کہ انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا، اور غلط حکم جاری کیا تو دنیائے عرب باہم لڑ مرے۔

مدینہ طیبہ کے قریب دو قسم کے یہود آباد تھے، نضیر اور قریظہ۔ قریظہ کے مقابلہ میں نضیر کے خون

بہت ہوئے تھے اوراس لئے نبی ﷺ کوحکم ومنصف اورجج بنایا۔

اورحدزنامیں کچھ ایسا تغیر وتبدل کردیا کہ رجم کولوہے کے داغ سے تبدیل کردیا۔ یہ یہود مسلمانوں کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگرتمہارے پیغمبراس کاحکم دے دیں توہمارے لئے حجت ہے، ورنہ سمجھا جائے گا کہ تم نے تورات کاحکم چھوڑ دیا ہے۔تواللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ ...... الی قوله ...... فَاِنْ جَآؤُکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ . وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o الی قوله ...... فَلَا تَخْشَوُ النَّاسَ وَاخْشَوْنِیْ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلاً وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ o وَ کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ

(مائدہ. ع:6-7)

اے پیغمبر! جولوگ کفر پر لپکتے رہتے ہیں، ان کی وجہ سے تم آزردہ خاطر نہ ہو۔ بعض ایسے ہیں جو اپنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اوران کے دل ایمان نہیں لائے ......تو اے پیغمبر! اگر یہ لوگ فیصلہ کرانے کوتمہارے پاس آئیں تو تم کواختیار ہے کہ ان میں فیصلہ کرو یاان کے معاملہ میں دخل دینے سے کنارہ کش رہو۔ اگرتم ان سے کنارہ کشی کروگے تو یہ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاسکتے اوراگر فیصلہ کروتوان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے......تم لوگوں سے نہ ڈرو، ہماراہی ڈر رکھواور ہماری آیتوں کے معاوضے میں ناچیز فائدے نہ لو، اورجو (جج) اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے تویہی لوگ کافر ہیں۔ اورہم نے تورات

میں یہود کوتحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ویسا ہی زخم۔

ان آیات میں اللہ نے بیان کیا کہ تمام جانیں برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے جیسا کہ یہود کیا کرتے تھے۔

...... **الی قولہ ...... وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتَابَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ مِنَ الۡکِتَابِ وَ مُهَیۡمِنًا عَلَیۡهِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآئَهُمۡ عَمَّا جَآئَکَ مِنَ الۡحَقِّ لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَةً وَّ مِنۡهَاجًا ...... الی قولہ ...... اَفَحُکۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ یَبۡغُوۡنَ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ o**

(مائدہ. ع:7)

......اور اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف بھی کتاب برحق اتاری کہ جو کتابیں اس کے آنے سے پہلے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے تو جو کچھ اللہ نے تم پر اتارا ہے تم بھی اسی کے مطابق ان لوگوں کو حکم دو اور جو حق بات تم کو پہنچتی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت ٹھہرائی ہے اور طریقہ خاص ...... کیا اس وقت میں زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہوسکتا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون سب کے سب مساوی اور برابر ہیں بخلاف جاہلیت کے، کہ اکثر خواہش نفس کی وجہ سے خون ہوا کرتے تھے اور شہری دیہاتی آبادیاں تمام کی تمام اس سے متاثر ہوتی تھیں۔ اور یہ درحقیقت بغاوت اور ترک عدل وانصاف کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔ ہر گروہ اپنے کو دوسرے گروہ پر غالب رکھنے کی کوشش کرتا تھا، خواہ خون کا معاملہ ہو یا مال کا، ایک

دوسرے پر غالب رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور غلبہ پر فخر و ناز کرتا تھا۔ عدل وانصاف کا نام ونشان تک نہ تھا۔ دونوں فریق میں کوئی بھی خاموش نہیں بیٹھتا تھا ہر گروہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے وہی کرتا جو دوسرا گروہ کرتا تھا۔ قرآن مجید نے قسط وعدل اور انصاف کا حکم دیا۔ جاہلیت کے احکام کو بالکل باطل کر دیا، جس میں اکثر لوگ مبتلا تھے۔ جب کبھی اور جس وقت کوئی مصلح اصلاح کے لئے اقدام کرتا تو یہی اصول اور یہی عدل وانصاف لے کر اقدام کرتا۔ قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْ بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَ تْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ o اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (الحجرات:۱۰)

اور اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پھر جب رجوع کرے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو۔

اور اس بارے میں اولیٰ وافضل یہ ہے کہ پہلے اولیاء مقتول سے معاف کی درخواست کی جائے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (مائدہ. ع:7)

اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم ہیں۔ پھر جو مظلوم بدلہ معاف کر دے، وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَا رُفِعَ اِلٰی رَسُوْلِ اللہ ﷺ اَمْرٌ فِیْہِ الْقِصَاصُ اِلَّا اَمَرَ فِیْہِ بِالْعَفْوِ (رواہ ابو دؤد وغیرہ)

جب کوئی معاملہ پیش اتا جس میں آپ کو قصاص کا حکم فرمانا ہوتا لیکن آپ معاف کرنے کا حکم فرماتے۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللہُ (رواہ مسلم)

صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور جو کچھ بندہ معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں عزت دیتا ہے، اور جو اللہ کے لئے تواضع عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رفع عطا فرماتا ہے۔

اور یہ جو ہم نے لکھا ہے، مساوات کے متعلق لکھا ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے بارے میں ہے کہ آزاد افراد سب سے سب مساوی ہیں۔ ذی کفو نہیں، نہ مسلمان کے برابر ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے، جیسے کہ کفار اسلامی شہروں میں سفر و تجارت کی غرض سے آتے ہیں کہ یہ بالاتفاق کفو نہیں اور مسلمان کے برابر نہیں۔

بعض علماء کا قول ہے: ذمی کفو ہیں۔ اور مسلمان کے برابر ہیں۔ یہی نزاع غلام اور آزاد کے متعلق ہے کہ غلام کے مقابلہ میں آزاد کو قتل کیا جائے یا نہیں۔

دوسری قسم کا خون قتل خطا ہے جو شبہ عمد ہو۔ اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلَا اَنَّ فِیْ قَتْلِ الْخَطَاءِ شِبْہُ الْعَمَدِ مَا کَانَ فِی السَّوْطِ وَالْعَصَاءِ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ مِنْھَا اَرْبَعُوْنَ خِلْقَةٌ فِیْ بَطُوْنِھَا اَوْلَادُھَا.

آ گاہ رہو کہ قتل خطا شبہ عمد میں جو کہ کوڑے یا لکڑی سے ہو، سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس اونٹ ایسے ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

اور اسے شبہ عمد اس لئے کہا گیا ہے کہ کوڑا یا لکڑی مارنے والے نے زیادتی ضرور کی۔ اس نے مار مارنے میں اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی مار سے اکثر اوقات موت نہیں واقع نہیں ہوتی۔

تیسری قسم، خون کی قتل خطا ہے، مثلاً یہ کہ شکار پر تیر چلایا، اور وہ انسان کو لگ گیا (یا گولی چلائی اور بے گناہ انسان کو لگ گئی)۔ اور اس کے علم ارادہ کے خلاف واقعہ پیش آیا۔ تو اس میں تو دو حد نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کفارہ اور دیت، خون بہا ہوگا۔

اور اس بارے میں بیشمار مسائل ہیں جو اہل علم کی کتابوں میں درج ہیں۔

باب22 (Chapter) کے مضامین

جرح و زخم کا قصاص، ہاتھ پاؤں کاٹنے سے ہاتھ پاؤں کاٹا جائے گا۔ دانت توڑنے سے دانت توڑا جائے گا۔ کسی کا سر پھوڑا تو اس کا سر پھوڑا جائے گا۔

جرح و زخم میں قصاص واجب ہے، اور یہ کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، بشرطیکہ مساوات ممکن ہو، اگر کسی نے کسی کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دے۔ اگر کسی کا دانت توڑ دیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کا دانت توڑ دے۔ سر اور منہ زخمی کر دیا ہے ایسا کہ ہڈی نظر آنے لگ گئی تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کا سر اور منہ اسی طرح زخمی کر دے جس طرح اس نے زخمی کیا ہے۔

اگر ایسا اور اس طرح توڑ دیا یا زخمی کیا ہے کہ مساوات ممکن نہیں مثلاً اندر کی ہڈی توڑ دی ہے یا یہ کہ اس طرح زخمی کیا ہے کہ ہڈی نظر نہیں آتی تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تاوان اسے دینا پڑے

گا۔

قصاص کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ سے پیٹا جائے، یا لاٹھی یا کوڑے سے مارا جائے۔ مثلاً طمانچہ یا گھونسا لگنے، یا لاٹھی وغیرہ سے مارا جائے، علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے، بلکہ اس میں تعزیر ہے، کیونکہ اس میں مساوات اور برابری ممکن نہیں ہے۔ لیکن خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے کہ اس میں قصاص مشروع ہے۔ اور یہی امام احمد وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ اور سنت نبوی بھی یہی ہے۔ ابوفراس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں حدیث پیش کی، اس حدیث میں کہا:

اَلَا اِنِّیْ وَاللہِ مَا اُرْسِلُ عُمَّالِیْ اِلَیْکُمْ لِیَضْرِبُوْا اَبْشَارَکُمْ وَلَا یَاْخُذُوْا اَمْوَالَکُمْ وَلٰکِنْ اُرْسِلُھُمْ اِلَیْکُمْ لِیُعَلِّمُوْکُمْ دِیْنَکُمْ وَ سُنَنَکُمْ فَمَنْ فَعَلَ بِہٖ سِوٰی ذَالِکَ فَلْیَرْفَعْہُ اِلَیَّ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِذًا لَاَقُصَّنَّہٗ

آ گاہ رہو۔ قسم اللہ کی میں اپنے عمال تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجا کرتا کہ وہ تمہیں مار ماریں، نہ تمہارا مال لینے کو بھیجتا ہوں، بلکہ اس لئے بھیجتا ہوں کہ تم کو تمہارا دین اور سنتیں سکھائیں، پس جو اس کے سوا دوسرا کرے میرے پاس لائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان سے قصاص لوں گا۔

اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: امیر المؤمنین! اگر کوئی امیر مسلمانوں کی نگرانی کر رہا ہے، اور وہ اپنی رعایا کو ادب سکھاتا ہے، آپ اس سے بھی قصاص لیں گے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں قسم اللہ کی میں اسے سے بھی قصاص لوں گا۔ اور صرف میں ہی قصاص نہیں لیتا بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنی جان سے بھی قصاص لیتے تھے۔ خبردار تم مسلمانوں کو مت مارا کرو، ان کو ذلیل نہ کیا کرو، ان کے حقوق نہ روکا کرو، اس سے وہ لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں، یہ روایت مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ والی، حاکم ناجائز مار نہ مارا کریں، اگر مشروع مار ہو تو اجماع ہے، اس میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ مشروع مار یا تو واجب ہوگی یا مستحب ہوگی، یا جائز ہوگی، اوران تینوں میں قصاص نہیں ہے۔

باب 23 (Chapter) کے مضامین

عزت وآبرو کا قصاص بھی مشروع ہے۔گالی دینا جرم ہےاس کا بھی قصاص ہے،اگر کوئی کسی کے باپ دادا یا قبیلے کو برا کہےتو جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے باب دادا اور قبیلہ کو برا کہے، کیونکہ انہوں نے اس پر ظلم نہیں کیا۔

عزت وآبرو کا بھی قصاص مشروع ہے،اور وہ یہ کہ مثلاً کوئی شخص کسی پر لعنت بھیجے یا بددعا کرے،تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔اگر کوئی سچی گالی دے جس میں جھوٹ قطعاً نہیں ہےتو یہ بھی گالی دے سکتا ہے،لیکن معاف کر دینا افضل وبہتر ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ o وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيْلٍ

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے،اس پر جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے، بیشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،اور ہاں کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے،تو یہ لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْتِبَانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِّ الْمَظْلُوْمَ

آمنے سامنے بولنے والے پر وہی ہوگا لیکن شروع کرنے والے پر کچھ زیادہ ہوگا جب تک کہ اس نے مظلوم پر زیادتی نہیں کی۔

اوراسی کوانتصار بھی کیا جائے گا۔اور گالی گلوچ ایسی کہ اس میں جھوٹ نہ ہومثلاً یہ کہ جو برائیاں اس میں ہیں وہ ظاہر کرنی، یا یہ کہ کتا، یا گدھا، وغیرہ کہنا، تو اس میں قصاص ہے لیکن اگر کسی نے افتراء و بہتان لگایا تو جائزنہیں ہے کہ افتراء و بہتان کے بدلہ میں افتراء و بہتان لگا۔اگر کوئی کسی کو بلا استحقاق کافر یا فاسق کہے تو اس کیلئے جائزنہیں ہے کہ یہ بھی اسے کافر کہے۔اگر کوئی کسی کے باپ دادااور قبیلے یا اہل شہر پر لعنت بھیجے تو اس کیلئے جائزنہیں ہے کہ جواب میں یہ بھی ایسا ہی کہے کہ یہ تعدی اور زیادتی ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس پر کچھ نہیں کیا، بلکہ جو کچھ کیا ہے اس آدمی نے کیا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـٰٓأَيُّهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِ مَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائده. ع:2)

مسلمانو! اللہ واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو، اورلوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کی باعث نہ ہو کہ تم معاملات میں انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیز گاری سے قریب تر ہے۔

اس آیت میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ کفار سے بغض وعناد کی وجہ سے اعتداءاور زیادتی نہ کیا کرو۔صاف صاف کہہ دیا:

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائده. ع:2)

ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیز گاری کےقریب تر ہے۔

پس عزت و آبرو کے بارے میں بھی عدوان اور زیادتی حرام ہے، حالانکہ اس کا حق ہے، پس اگر ایذاء اور تکلیف ایسی پہنچائے جس میں قصاص و بدلہ لیا جا سکتا ہے، مثلاً کسی نے کسی پر بددعا کی تو مظلوم بلا عدوان اور زیادتی کے بددعا کرسکتا ہے، لیکن اگر حق اللہ اس کے متعلق ہوتا ہے مثلاً جھوٹ بولا تو اس کے لئے جائزنہیں ہے کہ یہ بھی جھوٹ بولے۔

اسی طرح فقہاء کہتے ہیں کہ کسی نے کسی کو جلا کر ماڈالا، یا غرق کردیا، یا گلا گھونٹ کر مارڈالا، یا اس

کے مثل کسی اور طریقے سے قتل کر دیا تو اس کے لئے وہی کیا جائے جو اس نے کیا ہے لیکن ملحوظ رہے کہ وہ سزا فی نفسہ حرام نہ ہو، مثلاً شراب پلائی تو اس کے بدلہ اور قصاص میں شراب پلائی جائے۔ یا لواطت کی تو اس کے ساتھ لواطت کی جائے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ جلا کر مار دینے، یا غرق کر دینے، یا گلا گھونٹ کر مار دینے کی عقوبت وسزا، قود بالسیف ہے یعنی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ لیکن ہم جو پہلے کہہ چکے ہیں وہی کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے زیادہ مشابہ ہے۔

باب 24 (Chapter) کے مضامین

افتراء میں قصاص نہیں ہے، اس میں عقوبت وسزا ہے، حد قذف بھی اس میں ہے، جبکہ مقذوف شادی شدہ، مسلم، آزاد اور عفیف ہو، جو شخص فسق و فجور میں مشہور ہو، اس کے قاذف پر حد نہیں لگے گی۔

افتراء و بہتان وغیرہ میں قصاص نہیں ہے، بلکہ عقوبت وسزا ہے، اسی افتراء و بہتان میں حد قذف بھی ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ نور)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور یہ لوگ خود بدکار ہیں مگر جنہوں نے ایسا کہے پیچھے توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

جب کسی آزاد، شادی شدہ پر زنا یا لواطت کی تہمت لگائی جائے تو اس پر حد قذف جاری کرنا واجب

ہے، اور یہ حد اسی کوڑے ہیں، اگر اس کے علاوہ کسی دوسری بات کی تہمت لگائی تو اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی۔

اس حد کا حق مقذوف کو پہنچتا ہے، اور اس لئے حد اسی وقت جاری ہو گی جبکہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اگر مقذوف معاف کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی، جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے، کیونکہ اس میں زیادہ تر حق آدمی کا ہے، جیسا کہ قصاص مال وغیرہ آدمی کا حق ہے۔ بعض کہتے ہیں نہیں حد ساقط نہیں ہو گی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے، اور جس طرح دوسری حدود معاف نہیں ہوسکتیں، یہ بھی معاف نہیں ہوگی۔

حد قذف اس وقت جاری ہو گی جبکہ مقذوف شادی شدہ ہو، اور مسلمان، آزاد، عفیف و پاکدامن ہو۔

جو شخص فسق و فجور کے معاملہ میں مجروح اور بدنام ہو، اس پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہو گی۔ اسی طرح کافر، اور غلام پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہوگی، البتہ ان پر تعزیر ہوگی۔

شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہو اور زنا سے حاملہ نہیں ہوئی ہے۔ اگر زنا سے اگر حاملہ ہوگئی، اور بچہ پیدا ہوگیا ہے تو شوہر پر فرض ہے کہ اسے متہم کرے اور بچہ کا انکار کردے کہ اس کا نہیں ہے تاکہ جو اس کا نہیں ہے وہ اس کی طرف منسوب نہ ہو۔

جب شوہر نے بیوی پر قذف اور تہمت لگائی تو بیوی یا تو زنا کا اقرار کرلے یا ملاعنت کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں اور رسول اللہ ﷺ نے سنت میں ذکر کیا ہے۔

اگر قاذف یعنی تہمت لگانے والا غلام ہے تو اس پر نصف حد جاری ہوگی اور یہی حکم زنا اور شراب نوشی میں بھی ہے، کہ نصف سزا اسے ہوگی، چنانچہ غلام اور باندی وغیرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ

(نساء. ع:4)

پھر اگر قید میں آنے کے بعد بے حیائی کا کوئی کام کریں تو جو سزا بیوی کی ہے اس کی آدھی لونڈی کی ہے۔

لیکن جس حد میں قتل واجب ہے، یا ہاتھ کاٹنا واجب ہے تو سزا نصف نہیں ہوگی بلکہ پوری پوری عقوبت و سزا ہوگی۔

باب25 (Chapter) کے مضامین

حقوق ابضاع، زن وشوہر کے تعلقات اور حق مہر، نفقہ، اور معاشرہ کے حقوق

میاں بیوی کے باہمی تعلقات اور حقوق، میاں اور بیوی دونوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَانٍ (بقرہ. ع:29)

دوطلاقوں کے بعد یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کردینا۔

میاں اور بیوی دونوں پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق بطیّب خاطر اور انشراح صدر کے ساتھ پورے کریں، بیوی کا شوہر کے مال میں حق ہے، اور وہ مہر اور نفقہ ہے، جسم پر حق ہے وہ عورت سے صحیح مباشرت رکھے اور اس سے استفادہ کرے، اور اس لئے اگر اس نے ایلاء کیا اور نہ ملنے کی قسم کھالی تو عورت تفریق کی حقدار ہے۔سب مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔اگر شوہر مجبوب اور عنین ہے، جماع اور ہمبستری نہیں کرسکتا کہ اس پر جماع کرنا واجب ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر اس کا باعث طبعی ہے تو واجب نہیں ہے، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ جماع و ہمبستری واجب ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول اور اصول شریعت دلالت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ روزے بہت رکھتے ہیں اور نماز میں اکثر وقت گذارتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ

تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

پس جماع وہمبستری واجب ہے، لیکن کتنے عرصہ میں جماع کرنا چاہیئے اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں چار ماہ میں ایک مرتبہ جماع واجب ہے، بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ اس کی طاقت اور بیوی کی حاجت کے مطابق واجب ہے۔ جس طرح کہ نان ونفقہ واجب ہے، اور یہی مناسب فیصلہ ہے۔ اور بیوی پر شوہر کا حق ہے جب چاہے بیوی سے فائدہ اٹھائے لیکن شرط یہ ہے کہ بیوی کو نقصان نہ پہنچے یا کسی واجب حق سے قاصر نہ ہو جائے، بیوی پر واجب ہے کہ شوہر کو قدرت دے، اس کے گھر سے اس کی اجازت یا شارع کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

گھر کی خدمت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً فرش بچھا دینا، جھاڑو وغیرہ لگا دین، روٹی وغیرہ پکا دینا وغیرہ، تو بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بیوی پر واجب ہے بعض واجب نہیں کہتے، بعض کہتے ہیں درمیانی خدمات واجب ہیں۔

باب 26 (Chapter) کے مضامین

اموال کا فیصلہ عدل وانصاف سے کیا جائے، معاملات میں عدل وانصاف ہی دنیا کے امن وچین کا کفیل ہے، دنیا ورآخرت اسی سے درست ہوتی ہے۔

اموال کا فیصلہ عدل وانصاف سے کیا جائے، جیسا کہ اللہ اور رسول کا حکم ہے، مثلاً ترکہ، وارثوں پر کتاب وسنت کے مطابق تقسیم کیا جائے، گو اس کے بعض مسائل میں نزع ہے، اسی طرح معاملات میں مبایعات، اجارات، وکالات، مشارکات، ہبات اوقاف وصایا وغیرہ میں عدل وانصاف واجب ہے، اوران معاملات میں جن میں عقود اور قبضہ شرط ہے، عدل وانصاف واجب ہے، اس لئے کہ عدل و انصاف ہی سے دنیا و جہان کا قوام ہے، اس کے بغیر دنیا وآخرت درست ہی نہیں ہو سکی، ان چیزوں

میں عدل وانصاف ہر عقلمند سمجھتا ہے، اور مثلاً خریدار پر واجب ہے کہ وہ چیز کی قیمت فوراً ادا کر دے اور بیچنے والے پر واجب ہے کہ مبیع خریدار کے حوالہ کر دے، اور مثلاً ناپ وتول میں کمی بیشی کرنا قطعاً حرام ہے، قرض ادا کرنا، جس سے قرض لیا اس کا شکر اور تعریف کرنی واجب ہے، عام معاملات جن کی کتاب وسنت نے ممانعت کی ہے وہ ہیں جن میں عدل وانصاف نہیں ہوسکتا، اور چھوٹا بڑا، کم زیادہ ظلم ہوتا ہو، مثلا باطل کے ذریعہ مال لینا جیسے سود اور جوا۔ سود کی تمام صورتیں جوئے کی تمام اقسام جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، حرام ہیں مثلاً بیع غرر (دھوکہ سے مال بیچنا)۔ بیع الطیر (پرندہ اڑ رہا ہو، اس کو بیچنا)، مچھلی پانی کے اندر ہو، اُسے بیچنا، میعاد مقرر نہ کرنا اور بیچنا، بیع المصر اط، بیع الملامسہ، بیع منابذہ، بیع مزابنہ، بیع محاقلہ، اور خراب اشیاء کا بیچنا، پھلوں میں صلاحیت پیدا نہ ہو، ان کو بیچنا، فاسد شرکت کرنی، اور وہ تمام معاملات جن سے مسلمانوں کے اندر نزاع ممکن ہے اور جن میں کچھ نہ کچھ خرابی ہو، یا شبہ ہو، یا وہ عقد جو کچھ لوگ صحیح اور عدل سمجھتے ہوں۔ اور کچھ لوگ ظلم و جور سمجھتے ہوں۔ ان کا فاسد ہونا واجب وضروری ہے۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ؒ (النساء. ع:8)

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو کہ یہ بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اور اس بارے میں اصل اصول اور ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ معاملات وہی حرام ہیں جن کو کتاب وسنت نے حرام قرار دیا ہو، اور عبادات وہی مشروع ہیں جس کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہو، جن

لوگوں کی اللہ نے مذمت کی ہے وہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے وہ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں۔ اور ایسی چیزیں جائز کر لی تھیں جن کے جواز پر کوئی شرعی دلیل نہیں تھی۔

اللهم وفقنا لان نجعل الحلال ما حللته، والحرام ما حرمته، والدين ما شرعته

باب 27 (Chapter) کے مضامین

امیر، ولی الامر، حاکم کے لئے مشورہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا:

وَشَاوِرهُمْ فِی الْاَمْرِ ۔ اور جو لوگ مشورہ لیتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنفِقُوْنَ۔

ولی الامر کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشورہ لیا کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللهِ اِنَّ اللهَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ o (آل عمران. ع: 17)

تم ان کے قصور معاف کرو اور اللہ سے بھی ان کے گناہوں کی معافی مانگو، اور معاملات صلح و جنگ میں ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو۔ پھر مشورے کے بعد تمہارے دل میں ایک بات ٹھن جائے تو بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہی رکھنا، جو لوگ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:

لَمْ یَکُنْ اَحدًا اَکْثَرَ مُشَاوَرَةً لِّاَصْحَابِهٖ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کی تألیف القلوب کی غرض سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے، اور

اس غرض سے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی قتداء کی جائے۔ اور جس امر کے متعلق وحی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، مثلاً حرب و جنگ وغیرہ اور جزئی امور میں لوگوں کی رائے اور مشورہ لیا جائے، جب رسول اللہ ﷺ مشورہ لیا کرتے تھے تو غیر بدرجہ اولیٰ مشورہ کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:

وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ o وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَاِذا مَ غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ o وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo (شوری. ع:4)

اور جو اللہ کے ہاں ہے اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ان ہی لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آ جاتا ہے تو درگذر کرتے ہیں، اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں، اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ولی الامر جب مشورہ لے، اور کتاب اللہ، کتاب الرسول اور اجماع سے حکم اور فیصلہ معلوم ہو جائے تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کے خلاف کسی کی اتباع نہ کرے اگرچہ وہ دین و دنیا کا کتنا ہی بڑا امر اور معاملہ کیوں نہ ہو، غیر کی اتباع جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی۔

اور اگر معاملہ ایسا ہے کہ اس میں مسلمانوں میں باہم تنازع ہے تو ضروری ہے کہ لوگوں سے رائے اور

مشورہ طلب کرے اور جو رائے، جو مشورہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول کے قریب اور مشابہ ہو اس پر عمل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ٥ (النساء. ع:8)

پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط ہے کہ اس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اولی الامر کی دو قسمیں ہیں، ایک امراء اور دوسرے علماء۔ یہ لوگ جب صالح اور نیک ہوں گے تو عوام بھی صالح اور نیک بن جائیں گے۔ ان ہر دو فریق کا فرض ہے کہ ہر قول و فعل کی جانچ کریں، جب کتاب اللہ اور کتاب الرسول کا حکم واضح ہو جائے تو اس پر عمل واجب ہوگا، مشکل اور دشوار معاملہ کی اچھی طرح جانچ کرے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کس طریقہ سے ممکن ہے، کتاب وسنت کس چیز پر دلالت کرتی ہے، خوب جانچ لیں اور جانچ کے بعد فیصلہ کریں، اگر تنگی وقت یا طالب کی کوتاہی، یا دلائل باہم متعارض ہیں یا کسی اور وجہ سے فوری فیصلہ ممکن نہیں ہے، تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کی تقلید کرے جس کا علم ودین مسلم ہے، اور یہی قوی ترین قول ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ تقلید جائز نہیں ہے اور تینوں قول مذہب امام احمد وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور جو شرط قضاۃ اور والیان امر کے متعلق ہے اس پر حسب امکان عمل کیا جائے، بلکہ ہمہ قسم کی عبادتیں نماز، جہاد وغیرہ میں یہی حکم ہے، قدرت و طاقت کے مطابق عمل و فعل واجب ہے، جب قدرت نہ ہو، عاجزی اور مجبوری ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت وقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی کلیہ کے مطابق طہارت و پاکی کا معاملہ ہے، پانی سے پاکی حاصل کرے، اگر پانی معدوم ہو یا اس کے استعمال سے ضرر متصور ہو، مثلاً سخت ترین سردی ہے، یا پانی کے استعمال سے زخم بڑھ رہا ہے تو تیمّم کرلے اور اسی بناء پر نبی کریم ﷺ نے، سیدنا عمران بن

حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ یَستَطِیْعُ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلٰی جَنْبٍ

نماز کھڑے ہوکر پڑھا کرو، اگر کھڑ ہونے کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر، اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں تو لیٹے لیٹے پڑھا کرو۔

غرض یہ کہ اللہ نے نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم فرمایا: جس طرح اور جس حال میں ممکن ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ o فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُکْبَانًا، فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ o (البقرۃ. ع:31)

مسلمانو! تمام نمازوں کی عموماً اور درمیانی نماز (عصر) کی خصوصاً محافظت کرو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو۔ اور پھر اگر تم کو دشمن کا ڈر ہو تو پیدل یا سوار جس حالت میں جیسے بن پڑے نماز ادا کرلو، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پھر جس طرح اللہ نے تم کو سکھایا ہے کہ تم پہلے نہیں جانتے تھے، اسی طریقے سے اللہ کو یاد کرو۔

نماز اللہ تعالیٰ نے امن، خائف، صحیح وتندرست، مریض، غنی، فقیر، مقیم ومسافر تمام پر فرض کردی جیسا کہ کتاب اللہ، کتاب الرسول میں وارد ہے، اسی طرح نماز کے لئے طہارت، ستر پوشی، استقبال قبلہ بھی فرض کردیا اور جو اس سے قاصر ہو اس سے ساقط کردیا، اگر کسی کی کشتی ٹوٹ گئی اور ڈاکوؤں اور چوروں نے انہیں لوٹ لیا۔ کپڑے وغیرہ اتروالئے، تو اس وقت ننگے حسب حال نماز ادا کریں اور جو امام ہو وہ درمیان میں کھڑا رہے، تاکہ ستر کوئی نہ دیکھ پائے، اگر قبلہ ان پر مشتبہ ہو جائے تو حسب طاقت کوشش کریں اور کوشش کے بعد نماز ادا کرلیں۔ اگر کسی جانب ترجیح کی دلیل نہیں ہے تو جس طرح جس جہت امکان ہو نماز ادا کریں، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں نماز گذاری گئی تھی۔

یہی حال جادوولایات اورتمام دینی امور کا ہے،اوران امور کے متعلق قرآن حکم کا یہ قاعدہ وکلیہ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ (تغابن. ع:2)

تومسلمانو! جہاں تک تم سے ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اوررسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اَمَرۡتُکُمۡ بِاَمۡرٍ فَأتُوۡا مِنۡهُ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ

جب میں کسی چیز کا تمہیں حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے خبیث اشیاء کے کھانے پینے کو حرام قرار دیا۔تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ:

فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَیۡهِ (البقرة. ع:21)

توجوبھوک سے بے قرار ہوجائے اورعدول حکمی کرنے والا اورحد سے بڑھ جانے والا نہ ہوتو اس پر کسی چیز کے کھالینے کا بھی گناہ نہیں ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ (حج. ع:10)

دین کے بارے میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں ہے۔

اورفرمادیا:

مَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِنۡ حَرَجٍ (مائدہ. ع:2)

اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے وہی فرض فرمایا جو انسانی طاقت میں ہو،اور جو طاقت وقدرت سے خارج ہے وہ واجب نہیں ہے، حالت اضطراری میں ضرورت کے وقت جس کے بغیر چارہ نہیں ہے، حرام نہیں کیا، اضطرار کی حالت میں بندے نے حرام چیز پر بلامعصیت عمل کرلیا تو جائز ہے،کوئی گناہ نہیں۔

باب 28 (Chapter) کے مضامین

ولایت امر، امارت وحکومت دین کا عظیم الشان رکن اوراہم ترین واجبات سے ہے، بلکہ دین کا قیام وبقاءاسی سے وابستہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا خَــرَجَ ثَلاثَةٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ (ابوداؤد)

جاننا چاہیئے کہ ولایت امراورامارت ملیہ دین کے اہم ترین اورعظیم ترین واجبات میں سے ہے، بلکہ دین کا قیام و بقاءاسی سے وابستہ ہے، کیونکہ بنی آدم کی اجتماعی مصلحتیں اجتماع کے بغیر ناممکن ہیں۔بعض بعض کی ضروریات اور حاجتیں اجتمام کے بغیر ممکن ہی نہیں ہیں۔اور جب اجتماع واجب ولازم ہے، اجتماع کے لئے امیر وسردار کا ہونا بھی واجب اورضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا خَـرَجَ ثَلاثَةٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ (رواہ ابوداؤد من حدیث ابی سعید و ابی ھریرہ)

جب تم تین آدمی سفر میں نکلوتو ایک کوان میں سے اپنا امیر بنالو۔

اورامام احمد اپنی مسند میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ یَّکُوْنُوْنَ بِفَلاۃٍ مِّنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا عَلَیْهِمْ اَحَدَهُمْ (رواہ امام احمد فی سندہ)

تین آدمی صحراء میں سفر کریں تو ضروری ہے کہ ایک کوان میں سے اپنا امیر بنالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قلیل سے قلیل اجتماع میں جو بالکل عارضی اور بحالت سفر ہو، واجب اور ضروری قرار دیا ہے کہ ایک کوان میں سے اپنا امر بنالیں۔اورامیر بنالیناواجب قرار دیا۔اور یہ اس لئے کہ دیگر

ہمہ قسم کے اجتماعات کے لئے تاکید وتنبیہ ہو جائے کہ جب سفر میں تین آدمی مجتمع ہو جائیں تو ایک کو اپنا امیر بنالینا واجب ہے تو پھر دوسرے اجتماعات میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم نافذ ہوگا۔ اور اس لئے نافذ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو واجب گردانا ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قوت امارت کے بغیر ناممکن ہے، اسی طرح تمام فرائض و واجبات مثلاً جہاد، قیام عدل و انصاف، اقامت حج، اقامت جمعہ وعیدین، نصرت مضلوم، اقامت حدود بغیر قوت، بغیر امارت ناممکن ہے، اور اسی لئے روایت کی گئی ہے:

اَنَّ السُّلُطَان ظِلُّ اللهِ فِی الْاَرُضِ

سلطان وحکمران زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ برس جابر وظالم سلطان کا ہونا زیادہ مناسب اور اصلح ہے، ایک رات بغیر سلطان کے گذارنے سے، اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ بلا سلطان گذارنے سے ظالم بادشاہ، جابر سلطان کا وجود زیادہ مناسب ہے، اور اسی بناء پر سلف صالح کہا کرتے تھے، مثلاً فضل بن عیاض اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ وغیر:

لَوُ کَانَ لَنَا دَعُوَۃٌ مُّجَابَۃٌ لَّدَعُوۡنَا بِهَا لِلسُّلُطَانِ

اگر ہماری دعا قبول ومستجاب ہوتی تو ہم سلطان کے لئے دعا کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللهَ یَرُضٰی لَکُمُ ثَلَاثًا اَنُ تَعُبُدُوۡهُ وَلَا تُشُرِکُوۡا بِهٖ شَیۡئًا وَّاَنُ تَعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللهِ جَمِیۡعًا وَلَا تَفَرَّقُوۡا. وَاَنُ تَنَاصَحُوۡا مَنُ وَّلَاهُ اللهُ اَمَرَکُمُ (رواہ مسلم)

تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ تم سے بہت خوش ہے، ایک یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ دوسری یہ کہ حبل اللہ کو سب مل کر مضبوط تھامے رہو، فرقے فرقے مت

بن جاؤ۔ تیسری یہ کہ جس شخص کو اللہ نے تمہارا والی بنایا اس کو نصیحت کیا کرو۔

اور فرمایا:

ثَلاثٌ لَّا یَغُلُّ عَلَیْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمَ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰہِ وَمُنَاصَحَۃُ وُلاۃِ الْاَمْرِ وَ لُزُوْمُ جَمَاعَۃِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تَحِیْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ

تین چیزوں میں مسلمان کا قلب غلول نہیں کرسکتا، اللہ کے لئے اخلاص عمل میں، والیان امر والیان ملک کو نصیحت کرنے میں اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے میں، کیونکہ ان لوگوں کی دعوت ودعا پیچھے سے گھیر لیتی ہے۔ (رواہ اہل سنن)

صحیح البخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ (بخاری)

دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! نصیحت کس کو کی جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کیلئے، اوراس کی کتاب کے لئے اوراس کے رسول کے لئے، ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کو۔

پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ دین اور تقرب الی اللہ کو مدنظر رکھ کر امارت اسلامیہ بنائیں، اوراس سے تقرب الٰہی حاصل کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت افضل ترین عبادت ہے، امارت قائم کرنا، امارت کو مضبوط بنانا یہی زبردست عبادت ہے، لیکن اس میں فساد و خرابی بھی پیدا ہوجاتی ہے، اکثر لوگ اس امارت اور ریاست کے ذریعہ مال ودولت کی خواہش رکھتے ہیں، اوراس کو ذریعۂ دنیا بنالیتے ہیں جس سے اپنا دین اپنی آخرت دونوں برباد کرلیتے ہیں۔ اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃُ کا مصداق بن جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَی الْمَالِ اَوِ

الشَّرُفِ لِدِیْنِہٖ (ترمذی حدیث حسن صحیح)

دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں بھیجے گئے ہیں جو بکریوں کو خراب کر رہے ہیں، ایک آدمی کی حرص مال ودولت کیلئے، دوسری دین کے بارے میں شرف وبزرگی۔

نبی کریم ﷺ نے آگاہ اور خبردار کردیا کہ حرص علی المال، اور حرص ریاست دونوں چیزیں ایسی ہیں جو دین کو برباد کردیتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ اکثر فساد اور خرابی انہی دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہی دو بھوکے بھیڑیئے انسانی ریوڑ کو تاراج وبرباد کردیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے بارے میں خبر دی ہے جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور وہ بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیکھ کر کہے گا:

مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ . هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَه (الحاقه. ع:2)

میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، مجھ سے میری بادشاہت چھن گئی۔

ریاست وامارت اور سرداری کے طالب کی انتہا فرعون جیسی ہوتی ہے، اور مال جمع کرنیوالے کی حالت قارون کی سی ہوتی ہے، اللہ نے قرآن حکیم میں فرعون اور قارون کا حال بیان کیا ہے، فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (مومن. ع:3)

اور کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا؟ وہ لوگ کیا بل بوتے کے اعتبار سے اور کیا ان نشانوں کے اعتبار سے جو زمین پر چھوڑ گئے ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے تو اللہ نے ان کو ان ے گناہوں کی سزا میں پکڑا اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔

اوراللہ کاارشاد ہے:

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ o (قصص. ع:9)

یہ آخرت کا گھر ہے جس کو ہم نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی نہیں کرنی جانتے، اور نہ فساد۔ اورانجام پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

کیونکہ لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ لوگ جو علو و سربلندی، سرداری کے طالب اور خواہاں ہیں، اور اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ اپنی سربلندی و سروری کیلئے ہر مکر و فریب کو جائز کر لیتے ہیں، یہ سکت ترین معصیت اور بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسے سلاطین، شاہان ملک، رؤساء مفسدین، فرعون اور فرعون کی ذریت، فرعون کے گروہ میں سے ہیں، اور اللہ کی مخلوق میں شریر ترین لوگ یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِرْعُوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذْبِحُ اَبْنَآئِهُمْ وَ یَسْتَحْیِ نِسَآئَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (قصص. ع:1)

فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا، اوراس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ کر دیئے تھے، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور سمجھ رکھا تھا کہ ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فسادیوں میں سے تھا۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ وَّلَا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ اِیْمَانٍ (مسلم)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر کبر وغرور ہوگا اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

کسی نے کہا: یارسول اللہ! یہ مجھے بہت پسند ہے کہ میرا کپڑا، میرا جوتا اچھا دیکھے تو کیا یہ بھی کبر وغرور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا اِنَّ اللهَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ الْکِبْرُ بَطَرَ الْحَقِّ وَ غَمْطَ النَّاس

نہیں یہ کبروغرور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند فرماتا ہے۔ کبروغرور یہ ہے کہ حق کوٹھکرایا جائے اور لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھا جائے۔

یہ حال ان لوگوں کا ہے جو علو وسر بلندی، سرداری و برتری کے خواہاں ہیں، اور فساد فی الارض چاہتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ ہیں جو فساف فی الارض چاہتے ہیں۔ علو، سر بلندی اور سرداری سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہے، جیسے چور، ڈاکو، راہزن اور اس قسم کے جرائم پیشہ مفسد اور کمینے لوگ ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علو وسر بلندی چاہتے ہیں، فساد فی الارض نہیں چاہتے اور یہ دین والوں کا طبقہ ہے، جن کے پاس دین ہے، اور دین کے ذریعہ لوگوں پر علو وسر بلندی کے خواہاں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ o

اور ہمت نہ ہارو اور آزردہ خاطر نہ ہو اور اگر تم سچے مسلمان ہو تو آخر کار تمہارا ہی بول بالا ہو گا۔ (آل عمران۔ ع:14)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَھِنُوْا وَ تَدْعُوْا اِلَی السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللهُ مَعَکُمْ وَلَنْ یَّتِرَکُمْ اَعْمَالَکُمْ (محمد. ع:4)

تو مسلمانو! بزدل نہ بنو، اور خود پیغام دے کر دشمنوں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ اور جانے رہو کہ آخر کار تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کے ثواب میں کسی طرح کی کمی نہیں کرے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

و لله العزة ولرسوله و للمؤمنين .(منافقون ع 1)

عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔

پس بہت سے علو و سر بلندی کے طالب ایسے ہیں جو سب سے زیادہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں اسفل السافلین میں گرے ہوئے رہتے ہیں اور کتنے ہیں جو علو و سر بلندی اور فساد فی الارض سے گریز کرتے ہیں، پھر بھی وہ علو و سر بلندی کے مناروں پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اس لئے ہوتا کہ مخلوق خدا پر علو و سر بلندی کی نیت مخلوق پر سخت ترین ظلم ہے کیونکہ تمام انسان ایک ہی جنس ہیں ایک ہی نوع ہیں اور ایک انسان یہ ارادہ اور نیت رکھتا ہے کہ اپنے ابناء جنس پر علو و سر بلندی حاصل کرے اور اسی کے مثل دوسرے ہیں وہ اس کے ماتحت رہیں یہ سخت ترین ظلم ہے اور ایسے لوگوں سے بغض و عناد، حسد وکینہ لازمی ہے او رجو عادل اور منصف ہوتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اپنے بھائیوں سے سر بلند رہے اور اپنے بھائی جو اسکے جیسے ہی ہیں وہ مقہور ذلیل وخوار ہوکر رہیں غیر عادل انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ قاہر و غالب اور سر بلند ہوکر رہے ان کے پاس بھی دین عقل موجود ہے وہ دیکھتے ہیں کہ بعض کو بعض پر خدا نے فضیلت دی ہے، **فضلنا بعضكم على بعض .** جیا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسان کا جسم ہے اور اس جسم کی اصلاح بغیر سر کے ممکن نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وهو الذى جعلكم خلآئف الارض ورفع بعضكم فوق بعض درجات ليبلوكم فيما اتاكم .(انعام ع 20)

اور وہی ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی ہے تا کہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں انمیں تمہاری آزمائش کرے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحياة الدنيا و رفعنا بعضهم فوق بعض

درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا. (زخرف ع 3)

سواس زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے درجوں کے اعتبار سے ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ان میں ایک کو ایک اپنا محکوم بنائے رہے۔

شریعت اسلام نے یہ لازم اور ضروری گردانا کہ سلطنت، ریاست اور مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ ہو، سلطنت و ریاست کا اصل مقصود یہی ہے تقرب الٰہی حاصل کیا جائے خدا کا دین قائم اور مضبوط ہو، اور جب اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کی جائے گی، تو لازمی طور پر دین و دنیا کی اصلاح ہوگی، اور فلاح و بہبود نصیب ہوگی، اگر امیر و سلطان دین سے علیحدہ رہے گا تو لوگوں کے حالات خراب ہو جائیں گے۔

طاعت الٰہی اور اہل معصیت کا امتیاز نیت و ارادہ اور عمل صالح سے ہوتا ہے، جیسا کہ صحیحین کے اندر نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اموالکم و انما ینظر الی قلوبکم و الی اعمالکم . (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارا مال نہیں دیکھا کرتا، بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

اکثر والیان ملک ولاۃ، امراء، روساء ایسے ہیں جن پر دنیا مسلط ہو چکی ہے۔ مال و شرافت، دولت و بزرگی سے دنیا ہی کے کام لیتے ہیں۔ حقیقت ایمان۔ اور کمال دین سے سراسر محروم ہیں بعض ان میں ایسے ہیں جن پر دین غالب ہے لیکن تکمیل جن امور سے ہوتی ہے ان سے سراسر ناواقف ہیں اور اس لئے وہ ان امور کو چھوڑے بیٹھے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی دین سے اعراض کئے بیٹھے ہیں اور یہ اس لئے کہ سلطنت و ریاست ولایت و امارت کو وہ دین کے خلاف سمجھتے ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے یہ دین کے منافی ہے دین ان کے نزدیک ذلت و خواری کا نام ہے

علو وسربلندی عزت وبزرگی سے قطعاً محروم ہے۔

اور یہی حال ان دو مذہبوں کا ہوا یہود و نصاری نے دیکھا کہ ان کا دین مکمل نہیں تکمیل دین سے اپنے کو عاجز پایا۔ اورا قامت دین اقامت مذہب میں بلا اور مصائب دیکھے تو گھبرا گئے اور طریقہ دین کمزور ہو گیا دین کو ذلیل سمجھ کر چھوڑ بیٹھے انہوں نے دیکھا کہ اس دین اس مذہب سے نہ تو اپنی مصلحت پوری ہوتی ہے نہ دوسروں کی اسلئے اصل دین کو ہی چھوڑ بیٹھے یہ دو دین اور دو راستے تھے ایک نے دیکھا کہ تکمیل دین کے لئے جس سلطنت اور حزر و جنگ اور مال و دولت کی ضرورت ہے اور جس کی ان کو احتیاج ہے ان کا دین اس ضرورت واحتیاج کو پورا نہیں کرتا اس لئے وہ اصل دین ہی سے نفرت کرنے لگے اور دین کو چھوڑ بیٹھے۔

دوسرا گروہ سلطنت مال و دولت حرب و جنگ کا سامان اپنے دین اپنے مذہب میں پاتا ہے لیکن اقامت دین ان کے مقصد سے خارج ہے اس لئے یہ بھی دین و مذہب کو چھوڑ بیٹھے۔

یہ دو گروہ **مغضوب علیھم** یہود اور ضالین نصاری ہیں یہود نے سلطنت وسیاست اور امارۃ سیاست کو چھوڑ دیا اور نصاری عیسائیوں نے دین کو چھوڑ دیا۔

صراط مستقیم انہی لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ تعالی کا خاص انعام ہوا ہے۔

صراط الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھدآء والصالحین .

اور یہ راہ ان لوگوں کی ہے جن پر اللہ کا خاص انعام ہوا ہے جو انبیاء کرام، صدیقین، شہداء و صالحین ہیں۔

ہمارے رسول ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا یہی طریقہ رہا آپ کے بعد آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ رہا خلفاء رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ان کی راہ پر چلنے والوں کا بھی یہی طریقہ رہا۔

السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم .(توبہ ع 13)

اورمہاجرین وانصار میں سے جن لوگوں نے اسلام لانے میں سبقت کی سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور نیز وہ لوگ جو انکے بعد خلوص دل سے ایمان لائے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش اور اللہ نے ان کیلئے باغ تیار کرر کھے ہیں جنکے تلے نہریں بہہ رہی ہونگی اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

پس ہر مسلمان کا فرض عین ہے کہ حسب استطاعت کوشش کرے اور جو شخص ولایت وحکومت پر مامور ہے اس سے وہ طاعت خدا اور اقامت دین اور مصالح مسلمین کی خدمات لے اور ولایت و حکومت کو حتی الامکان مقصد وحید سمجھ کر اس کو مضبوط کرے اور تا امکان محرمات سے بچے اور بچائے جس سے وہ عاجز اور قاصر ہے اس کا مؤاخذہ نہیں ہے، ابرار نیکوکار کو ولی امر بنانا امت محمدی ﷺ کے لئے بڑی خیر و برکت ہے بمقابلہ فجار و فاسق کو ولی الامر بنانے کے اور جو سلطنت وریاست امارت وسیاست ولایت کے ذریعہ اقامت دین جہاد فی سبیل اللہ سے عاجز وقاصر ہے وہ اسی قدر خدمات انجام دے جس پر وہ قادر ہو خلوص قلب سے قوم کو نصیحت کرے اور امت محمدیہ ﷺ کے لئے محبت اور خیر و بھلائی کی دعا کرے اور جو خیر و بھلائی اسکے امکان میں ہے کرتا رہے کیونکہ اللہ اس چیز کا مکلّف نہیں گردانتا جس سے وہ عاجز وقاصر ہے دین کا قیام کتاب اللہ سے ہے جو ہادی ہے اور حدیث سے ہے جو ناصر و مددگار ہے ان دو کو راہ نما، راہبر بنا کر نصرت الٰہی حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم، اور حدیث خیر الانام کو سب پر مقدم سمجھے اور اللہ تعالیٰ ہی سے اعانت وامداد چاہے اور خیر طلب کرتا رہے اور پھر دنیا تو اسی لئے ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی خدمت کرے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

يَاابْنَ اٰدَمَ اَنْتَ مُحْتَاجٌ اِلٰى نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَنْتَ اِلٰى نَصِيْبَكَ مِنَ الْاَخِرَةِ مِنَ الْاٰخِرَةِ اَحْوَجُ فَاِنْ بَدَأْتَ بِنَصِيْبِكَ مِنَ الْاٰخِرَةِ وَ بِنَصِيْبِكَ مِنَ الدُّنْيَا فَانْتَظِمُهَا اِنْتَظَامًا وَّ اِنْ بَدَأْتَ بِنَصِيْبِكَ مِنَ الدُّنْيَا فَاتَكَ نَصِيْبُكَ مِنَ الْاٰخِرَةِ وَ اَنْتَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى خَطَرٍ.

اے آدم کے بیٹے تو اپنی دنیا، اور اپنی آخرت میں اپنے نصیبے کا محتاج ہے اور آخرت کے نصیبے کا زیادہ محتاج ہے تو تو اپنی آخرت کے نصیبے سے شروع کر اور دنیا کے نصیبے کا انتظام کر لے اور اگر تو نے اپنی دنیا کے نصیبے سے شروع کیا تو آخرت کے نصیبے کو فوت کر دے گا اور دنیا تیرے لئے خطرہ بن جائے گی۔

اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو ترمذی نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

مَنْ اَصْبَحَ وَالْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ هَمِّهٖ جَمَعَ اللّٰهُ لَهٗ شَمْلَهٗ وَ جَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَ اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَّ مَنِ اصْبَحَ وَالدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّهٖ فَرَقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهٗ وَ جَعَلَ فَقْرَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَاْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ .

جس نے اس حالت میں صبح کی کہ آخرت اس کا اہم مقصد ہے تو اللہ تعالی اس کے حالات کو درست کر دے اور اس کے دل میں غنا پیدا کر دے گا اور اس کے دل میں غنا پیدا کر دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کا اہم مقصد دنیا ہے تو اللہ تعالی اسکے سامان کو بکھیر دے گا اور فقر اس کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور دنیا تو اسی قدر اس کو ملے گی جو اللہ نے اسکے حق میں لکھ رکھی ہے۔

اور اس کی اصل قرآن حکیم کے اندر ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ

يُّطْعِمُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ .

اورہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں ہیں نہیں اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہم کو کھلائیں پلائیں اللہ تو خود بڑا روزی دینے والا قوت والا زبردست ہے۔

خاتمہ ودعاء

ہم بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں اور تمام مسلمانوں کو اس چیز کی توفیق بخشے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور جس سے وہ راضی ہے۔

فَاِنَّه لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیُّ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمُ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْن .